مذہب یا عقیدے کی آزادی سب کے لئے:

خواتین توجہ کا مرکز

stefanus alliance international

together for the persecuted

Produced by:

Stefanus Alliance International

Published 2025

Contributors:
Elisa Chavez
Vija Herefoss

Design: Von

© 2025 Stefanus Alliance International
All rights reserved.
The contents of this publication may be used and or reproduced for educational and other non-commercial purposes, as long as Stefanus Alliance International is acknowledged as the source.

'''مذہب یا عقیدے کی آزادی کے موضوع پر تحریری مواد دنیا بھر کے انسانوں کے مخصوص طبقات کے خلاف مذہبی بنیادوں پر ہونے والی انسانی حقوق کی خلاف ورزیوں کے غیر متناسب اثرات سے نمٹنے کے لئے بے حد ضروری ہے۔ زیرِ نظر کتابچہ اشاعت وقت کی اسی اہم ضرورت کو پورا کرنے کے لئے منظرِ عام پر لایا جارہا ہے جو نہ صرف ان غیر متناسب اثرات کا احاطہ کرتا ہے بلکہ یہ بھی بتاتا ہے کہ اس مسئلے کے حل سے کچھ اضافی فوائد بھی حاصل ہوسکتے ہیں''۔

نازیلہ غانیہ
نمائندہ خصوصی، اقوامِ متحدہ، آزادی مذہب یا عقیدہ (ایف او آر بی)

عرضِ مصنفین

2011 میں سٹیفنس الائنس انٹرنیشنل نے 'مذہب یا عقیدے کی آزادی سب کے لئے' کے عنوان سے ایک کتابچہ شائع کیا جس نے گذشتہ ایک دہائی کے دوران مختلف ممالک میں اس اہم انسانی حق کے بارے میں شعور اجاگر کرکے مذہب اور عقیدے کے آزادی کے تصور کو تقویت دی ہے۔

تاہم حالیہ برسوں کے دوران ہم پریہ بھی واضح ہوتا چلا گیا ہے کہ مذہب یا عقیدے کی آزادی کی خلاف ورزیاں مردوں اور خواتین پر مختلف انداز میں اثر انداز ہوتی ہے۔ مثال کے طور پر مختلف رپورٹس سے واضح ہوتا ہے کہ مذہبی بنیادوں پر مردوں کو دی جانے والی سزائیں واضح اور مرکوز نوعیت کی ہوتی ہیں مگر انہی بنیادوں پر عورتوں کو سزائیں دینا اور ظلم و ستم کا نشانہ بنانا نسبتاً پیچیدہ اور مخفی نوعیت کا ہوتا ہے ۔ لہٰذا ان نتائج نے ہمیں اپنے نمائندہ کتابچے کا نیا ایڈیشن سامنے لانے پر اکسایا ہے جس کا مقصد مذہب یا عقیدے کی آزادی کے پسِ منظر میں خواتین کے تجربات کو منظرِ عام پر لانا اور اسی تناظر میں خواتین کی مشکلات کو واضح کرنے کے ساتھ ان مشکلات کا حل بھی پیش کرنا ہے۔
ہم اس بات پر زور دینا چاہیں گے کہ مذہب یا عقیدے کی آزادی صرف خواتین کو درپیش مسئلہ نہیں ہے۔ خواتین کے لئے اپنے حقوق کا حصول صرف خواتین کے لئے ہی نہیں بلکہ پورے معاشرے کے لئے فائدہ مند ہوتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ خواتین کے حقوق کا علم صرف خواتین کو ہی نہیں مردوں کو بھی آگے بڑھنے کے مواقع دیتا ہے۔

ہم یہ بات بھی اچھی طرح جان چکے ہیں کہ خواتین سے متعلقہ مذہب اور عقیدے کی آزادی اور صنفی مساوات کے معاملات نہایت پیچیدہ نوعیت کے ہیں۔ خواتین کے حقوق اور آزادیوں کے باہمی تعلق کے سلسلے میں بہت سی متضاد آرأ اور خیالات پیش کئے جاتے ہیں۔ ہم یہاں پر وضاحت پیش کرنا چاہتے ہیں کہ زیرِ نظر کتابچے کے اختصار کی وجہ سے ہم جملہ آرأ و خیالات پر تفصیلی بات نہیں کرپائیں گے۔ ہمارے نزدیک اس کتابچے کا بنیادی مقصد ہی اس موضوع کے تعارف کی مدد سے غور و فکر کا آغاز اور اس میں پیش کئے جانے والے مسائل کے حل کے لئے دنیا بھر کے لوگوں کو عملی اقدامات اٹھانے کی ترغیب دینا ہے۔

عنوانات

1 ۔ مذہب یا عقیدے کی آزادی اور خواتین کے مساوی حقوق 4
مذہب یا عقیدے کی آزادی اور خواتین کے حقوق 5
خواتین کے حقوق: 'سب کے لئے مذہب یا عقیدے کی آزادی' کا ایک اہم پہلو 7
مذہب یا عقیدے کی آزادی سب کے لئے: خواتین کے حقوق کا ایک اہم پہلو 8

2 ۔ مذہب یا عقیدے کی آزادی کی خلاف ورزیاں خواتین پر کس طرح مختلف انداز میں اثر انداز ہوتی ہیں؟ 21
پوشیدہ خلاف ورزیاں 31
عزت کی رکھوالیاں 41
جنسی تشدد 41
اغوا اور جبری شادیاں 51
سخت سماجی جبر اور کنٹرول 51

3 ۔ خواتین کی مذہبی یا عقیدے کی آزادیوں کو کیا چیز نقصان پہنچاتی ہے؟ 81
پدر شاہی نظام 91
ثقافتی و مذہبی روایات اور رسومات 20
مذہبی قوم پرستی 22
نقصان دہ مذہبی بنیاد پرستی 22
مذہبی اقلیتوں میں داخلی امتیاز 22
مذہبی قوانین 22

4 ۔ ہم کیا کر سکتے ہیں: خواتین کو مذہب یا عقیدے کی آزادی کا حق دلانے کے لئے کچھ تجاویز 42

ہم ان تمام ماہرین کے تہ دل سے شکر گزار ہیں جنہوں نے اس کتا بچے کی تیاری میں اپنی قیمتی آرا اور بصیرت کا حصہ ڈالا
ہائنز بیلیفیلڈ، مذہب اور عقیدے کی آزادی پر اقوام متحدہ کے سابق نمائندہ خصوصی
ہیلن فشر، عالمی صنفی استحصال کی ماہر اوپن ڈورز انٹرنیشنل
نائلہ طبری، صدر ادیان فاونڈیشن
نازیلہ غانیہ، اقوام متحدہ کی خصوصی نمایندہ برائے مذہبی اور عقیدے کی آزادی
صومیہ اوما، پروفیسر، اوپی جندل گلوبل یونیورسٹی

باب 1 مذہب یا عقیدے کی آزادی اور خواتین کے مساوی حقوق

تعارف

دنیا کی 80 فیصد سے زیادہ آبادی ایسے ممالک میں رہتی ہے جہاں آزادی سے مذہب اختیار کرنے، اس پر عمل یا اسے تبدیل کرنے کے امکانات نہ ہونے کی حد تک محدود ہیں ۔ ان ممالک میں مذہب یا عقیدے کی آزادیوں (ایف او آر بی) کی خلاف ورزیاں مختلف صورتوں میں سامنے آتی ہیں جن کا ارتکاب کرنے والے مختلف اور متنوع گروہ ہوتے ہیں۔ یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ ان خلاف ورزیوں کا شکار ہونے کے خطرات سے دوچار خواتین میں سے اکثریت کا تعلق اقلیتی مذہب یا مسلک سے ہوتا ہے ۔

تقریبا ایک دہائی سے شمال مشرقی نائجیریا میں شدت پسند اسلامی عسکری گروہ بوکو حرام کے ہاتھوں ہزاروں مسیحی خواتین اور لڑکیوں کے اغوا، عصمت دری اور مذہب کی جبری تبدیلی جیسے انتہائی سنگین واقعات پیش آچکے ہیں ۔

اسی طرح داعش (آئی ایس آئی ایس) نے بھی شمالی عراق سے باضابطہ نسل کشی کا آغاز کیا جس کا ہدف یزیدی آبادی تھی۔ اس دوران اس آبادی کے مردوں کو بڑے پیمانے پر قتل کیا گیا جبکہ خواتین کو منڈیوں میں جنسی غلاموں کے طور پر فروخت کردیا گیا یا پھر انہیں جبری طور پر مسلمان بنادیا گیا۔ جنوری 2021 تک 1308 یزیدی خواتین لاپتہ اور ممکنہ طور پر انتہاپسندوں کی قید میں ہیں ۔

2017 سے چین نے سنکیانگ صوبے میں بسنے والے مسلمانوں پر کئی منظم حملے کئے، دس لاکھ سے زائد مسلمانوں، خاص طور پر ایغوریوں پر دہشت گردی کا الزام لگا کر گرفتار کرلیا اور بعض کو اپنی مرضی سے اپنے مذہب پر عمل کرنے کی پاداش میں قید خانوں میں رکھا گیا تاکہ انہیں دوبارہ تعلیم دی جا سکے۔ ان قیدخانوں میں جیل کے حکام کے ہاتھوں ایغور خواتین کو بانجھ کرنے کے بعد ان کی عصمت دری کی بھی اطلاعات موصول ہوئی ہیں ۔

2018 میں یہ خبر منظرِ عام پر آئی کہ میں ایک لاکھ سے زائد کاچین مسیحی خواتین کو جبری شادیوں، عصمت دری اور حاملہ کرنے کے لئے ہمسایہ ممالک میں سمگل کیا گیا ہے۔ ان خبروں سے یہ بھی پتہ چلا کہ فوجی جوانوں کو مالی انعام یا اعلیٰ عہدے پر ترقی کے وعدے کی مدد سے مسیحی خواتین سے شادی اور انہیں بدھ مت قبول کرنے پر مجبور کرنے کی بھی ترغیب دی گئی ۔

مذہب یا عقیدے کی آزادی اور خواتین کے حقوق

مذہب یا عقیدے کی آزادی انسانی حقوق میں سے ایک ہے۔ اس لئے تمام لوگوں کا حق ہے کہ وہ مذہب یا عقیدہ اختیار کرنے میں آزاد ہوں۔یہ حق تمام انسانوں کو بلاتفریقِ نسل، جنس، مذہب، سیاست، فکرمعاش و سماج حاصل ہے۔

مذہب یا عقیدے کی آزادی کا عمومی قانونی حوالہ شہری و سیاسی حقوق کے بین الاقوامی معاہدے (آئی سی سی پی آر) کے آرٹیکل 18 میں ملتا ہے:

> ''ہر انسان کو فکر و ضمیر اور مذہب کی آزادی کا حق حاصل ہوگا۔ اس حق میں اپنی مرضی کے مذہب یا عقیدے کو اختیار کرنے اور نجی یا اجتماعی عبادات کا حصہ بننے کے علاوہ عبادات، تعلیمات اور اعمال کے ذریعے اپنے مذہب کے اظہار کی آزادی بھی شامل ہوگی''۔

لہٰذا، مذہب یا عقیدے کی آزادی کے تین اہم اجزأ ہر ایک کا حق ہیں: کہ وہ کوئی بھی عقیدہ یا مذہب اختیار کرسکے؛ اپنا مذہب یا عقیدہ تبدیل کرسکے اور اپنے مذہب یا عقیدے پر عمل کرسکے۔ اگرچہ ان حقوق کے لئے سب سے زیادہ استعمال ہونے والا مخفف ایف۔او۔آر۔بی (یعنی مذہب یا عقیدے کی آزادی) ہے لیکن یہ وہ حق ہے جو فرد کے عقیدے، فکر اور ضمیر کی آزادیوں کا بھی احاطہ کرتا ہے۔ اس لئے زیر غور پس منظر میں 'مذہب' اور 'عقیدے' کی اصطلاح کو اس کے وسیع معنوں میں سمجھنا چاہیے کیونکہ یہ ان افراد کی آزادیوں کے حقوق کا بھی دفاع کرتی ہے جن کا کوئی مذہب ہے اور نہ کوئی عقیدہ۔ بدقسمتی سے مختلف مذاہب یا عقائد سے تعلق رکھنے والے بہت سے لوگ، جن میں مرد و خواتین شامل ہیں، صنفی مساوات کے اصول کو نظر انداز کرنے کا جواز پیش کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اس طرزِ عمل کے دفاع کا حق انہیں مذہب یا عقیدے کی آزادی کا حق دیتا ہے۔ تاہم یہ طرزِ عمل اس وقت انتہائی خطرناک صورتِ حال اختیار کرجاتا ہے جب اس کا نتیجہ خواتین اور لڑکیوں کے لئے کسی نقصان دہ عمل کا جوازپیش کرنے کی صورت میں نکلتا ہو۔یہ مذہب یا عقیدے کی آزادی کے حق کے غلط استعمال کی سنگین ترین شکل ہے کیونکہ مذہب یا عقیدے کی آزادی کے حق کو کسی دوسرے حق کی خلاف ورزی کا جواز ہرگز قرار نہیں دیا جاسکتا۔

اکثر خواتین کو ان کے حقوق سے، جن میں مذہب یا عقیدے کی آزادی بھی شامل ہے، لطف اندوز ہونے سے کچھ مردوں کی طرح محروم رکھا جاتا ہے۔ تاہم خواتین کے حقوق کو اجاگر کرنے کا بنیادی مقصدیہ یقینی بنانا ہے کہ خواتین کو ان کے شہری، سیاسی، معاشی، ثقافتی اور سماجی حقوق سے محض صنفی بنیادوں پر محروم نہ کیا جائے ۔ خواتین کے حقوق صنفی مساوات کے وسیع تر انسانی حقوق کے تصور کا حصہ ہیں۔

اگرچہ خواتین کے حقوق اور صنفی مساوات آج انسانی حقوق کی کئی دستاویزات میں شامل ہیں لیکن خواتین کے حقوق کی قانون کے طورپر وضاحت کرنے والی اور دنیا بھر میں تسلیم شدہ دستاویز خواتین کے خلاف جملہ امتیازی سلوک کے خاتمے کا کنونشن (سی ای ڈی اے ڈبلیو CEDAW) ہے۔یہ کنونشن نہ صرف خواتین کے حقوق کے ایک بین الاقوامی بِل کی تیاری و توثیق کی بنیاد ہے

جنوری 2021 تک، اقوامِ متحدہ کے 193 رکن ممالک میں سے 173 شہری و سیاسی حقوق کے بین الاقوامی معاہدے (آئی سی سی پی آر) کے ریاستی فریقین میں شامل ہو چکے ہیں۔

بلکہ خواتین کو ان کے حقوق سے لطف اندوز ہونے کی ضمانت فراہم کرنے کے لئے ایک قومی ایجنڈا بھی پیش کرتا ہے۔ خواتین کے خلاف جملہ امتیازی سلوک کے خاتمے کا کنونشن اپنے آرٹیکل 1 سے ہی بقیہ دستاویز کی بنیاد فراہم کرنے کے ساتھ اس کا لب و لہجہ بھی متعین کرتا ہے:

''موجودہ کنونشن کے مقاصد کے حصول کے لئے 'خواتین کے ساتھ امتیازی سلوک' کی اصطلاح سے جنسی بنیادوں پر کئی گئی ہر طرح کی تفریق، اخراج یا پابندی مُراد لی جائے گی جس کا اثر یا مقصد، ان کی ازدواجی حیثیت سے قطع نظر اور مردوں اور خواتین کی برابری کے اصول کی روشنی میں جو انہیں سیاسی، معاشی، سماجی، ثقافتی شہری اور دیگر میدانوں میں برابر حقوق کی ضمانت دیتا ہے، خواتین کی شناخت، اپنے حقوق سے لطف اندوز ہونے یا استعمال میں لانے کے عمل کو نقصان پہنچانے سے لے کر اس کا خاتمہ کرنا ہو۔

ہر رکن ملک میں حکومت پر ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ اس امر کو یقینی بنائے کہ ہر شخص کو اس کے حقوق اور آزادیاں حاصل ہیں اور ان کا احترام، تحفظ اور تکمیل کی جا رہی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جو ریاست ایک معاہدے پر دستخط کرنے سے اس کی توثیق کرتی ہے تو وہ ریاست اس معاہدے میں بیان کردہ خاص حقوق اور آزادیوں کو برقرار نہ رکھ پانے اور ان کی حفاظت میں ناکامی کی صورت میں جوابدہ اور قابلِ احتساب ہوگی۔ اس کے علاوہ، ریاستوں کی یہ بھی ذمہ داری ہے کہ جب بھی غیر ریاستی عناصر کسی بھی شہری کے بنیادی حقوق کی خلاف ورزی کریں تو ریاست ان خلاف ورزیوں کا نوٹس لے کر مداخلت کرے۔

مذہب یا عقیدے کی آزادی اور خواتین کے حقوق کے باہمی تعلق کے سلسلے میں یہ اہم بات یاد رکھنا ضروری ہے کہ خواتین ایک متنوع گروپ ہیں اور ان کی شناخت مختلف عناصر سے، جن میں باقی چیزوں کے علاوہ سماجی طبقہ، نسل، مادی حالات، ازدواجی صورتِ حال، اکثریتی یا اقلیتی مذہبی گروہ کے عقائد سے تعلق اور عمر شامل ہیں، تشکیل پاتی ہے۔ ان کے علاوہ، خواتین کی شناخت پر سماج کے پیش کردہ اور ریاست و مذہبی قائدین کے فراہم کردہ نظریات بھی گہرے اثرات مرتب کرتے ہیں۔ یہ سب وہ عوامل ہیں جو کسی بھی ریاست یا سماج میں خواتین کی حیثیت اور اختیارات متعین کرتے ہیں۔ لہٰذا خواتین کو درپیش مذہب یا عقیدے کی آزادیوں کے مسائل کو سمجھنے کی کوششوں کے دوران اور انہیں بااختیار بنانے کی حمایت کرتے وقت یہ تمام پہلوؤں مدِ نظر رکھنا بے حد ضروری ہے۔

جنوری 2021 تک، اقوام متحدہ کے 193 رکن ممالک میں سے 189 خواتین کے خلاف تمام قسم کے امتیازی سلوک کے خاتمے کے کنونشن (سی ای ڈی اے ڈبلیو) کے بطور ریاست فریق ہیں۔

خواتین کے حقوق: 'سب کے لئے مذہب یا عقیدے کی آزادی 'کا ایک اہم پہلو

حالیہ دور تک مذہب یا عقیدے کی آزادی پر کی جانے والی تحقیق اور اعداو شمار ہیں حالیہ دور تک مذہب یا عقیدے کی آزادی پر کی جانے والی تحقیق اور اعداو شمار ہیں صنفی پہلوؤں کو مکمل طور پر نظر انداز کیا جاتا رہا ہے اور اس کی وجہ یہ غلط مفروضہ تھا کہ مرد اور خواتین مذہب یا عقیدے کی آزادیوں کی خلاف ورزیوں کا ایک ہی انداز میں سامنا کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ماضی میں ہونے والی تحقیق اور اعدادو شمار کی روشنی میں پیش کی جانے والی سفارشات میں ایک بنیادی نقص تھا کہ مذہب یا عقیدے کی آزادیوں کے لئے اٹھائے جانے والے اقدامات سے مردوں اور خواتین کو یکساں فوائد حاصل ہو سکتے ہیں۔ یہ 'صنفی اندھا پن' اس تعصب سے جنم لیتا ہے کہ انسانی تاریخ میں مردوں کے تجربات کو وہی اہمیت حاصل ہے جو کسی اوَّلین یا اساسی حوالے کو حاصل ہوتی ہے اور جسے تمام انسانیت کا تجربہ مانا جاسکتا ہے۔ چونکہ مذہب اور عقائد کے سرکاری سطح پر نمائندہ طبقات میں سے اکثریت مردوں کی ہوتی ہے تو مذہب یا عقیدے کی آزادیوں کی ان خلاف ورزیوں کو آفاقی تصور کر لیا جاتا ہے جن کا تجربہ نمائندہ گروہ یعنی مرد حضرات کرتے ہیں۔ یہ صورتِ حال ایک بار پھر مذہب یا عقیدے کی آزادی کی خلاف ورزی کے اعداد و شمار جمع کرنے اور ان کی بنیاد پر خلاف ورزیوں سے نمٹنے کی تجاویز مرتب کرنے میں صنفی تفریق کا مسئلہ پیدا کر دیتی ہے۔

اس کے برعکس، اگر ہم مردوں اور خواتین کی روزمرہ زندگیوں پر تنقیدی نظر ڈالیں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ بہت سے معاشروں میں مرد اور خواتین ایک دوسرے سے مختلف زندگیاں گذارتے ہیں۔ انہیں نہ صرف وسائل تک مساوی رسائی حاصل نہیں ہوتی بلکہ معاشرے نے انہیں مختلف کردار سونپ رکھے ہوتے ہیں۔ لہٰذا نہ صرف خواتین کے کام بلکہ زندگیوں کو بھی مردوں کے کام اور زندگیوں کے برابر اہمیت نہیں دی جاتی۔ علاوہ ازیں، بہت سے معاشروں میں خواتین کو ان کے مذاہب کی روشنی میں بھی مردوں کے مساوی خودمختاری اور اہمیت حاصل نہیں ہے۔ اس تفریق کی وجہ سے ہونے والی مذہب یا عقیدے کی آزادی کی خلاف ورزیوں کے نتائج پر تفصیلی بات ہم باب 2 میں کریں گے مگر یہاں کچھ اہم نتائج کا تعارف پیش کیا جارہا ہے۔

سب سے پہلے ، مردوں اور خواتین کے متاثر ہونے کا فرق مذہب یا عقیدے کی آزادی کی خلاف ورزی کی منصوبہ بندی ، انجام دہی اور ان پر اثرات سے ظاہر ہوتا ہے۔ حالیہ رپورٹس یہ حقیقت واضح کرتی ہیں کہ کس طرح، واقعات کی کثرت و شدت کے لحاظ سے بھی خواتین مذہب یا عقیدے کی آزادی کی خلاف ورزیوں سے غیر متناسب انداز میں مردوں کی نسبت زیادہ متاثر ہوتی ہیں۔

ان کی جنس کی وجہ سے خواتین کے مذہب یا عقیدے کی بنیاد پر امتیازی سلوک اور تشدد کا شکار ہونے کے امکانات زیادہ ہوتے ہیں۔ اقوامِ متحدہ کی سابق نمائندہ خصوصی محترمہ عاصمہ جہانگیر نے واضح کیا تھا کہ کس طرح بہت سے ممالک میں ان کی صنفی، معاشی ، مذہبی اور عقائد پر مبنی شناختی تفریق کی وجہ سے خواتین کو دو یا تین گنا زیادہ امتیازی سلوک کا سامنا کرنا پڑتا ہے ۔ شناخت کی یہ سبھی پرتیں ایک دوسرے کو تقویت دے کر خواتین کو مردوں کے مقابلے میں کہیں زیادہ امتیازی سلوک کا شکار کرتی ہیں۔

مرد اور خواتین کے درمیان اس فرق کا دوسرا نتیجہ اس حقیقت کی صورت میں نکلتا ہے کہ خواتین کی مذہب یا عقیدے کی آزادی کی خلاف ورزیاں اکثر پوشیدہ یعنی نگاہوں سے اوجھل رہتی ہیں ۔ اس کی ایک وجہ عورت اور مرد کی سماجی حیثیت اور معاشرے کی صنفی بنیادوں پر تفویض کردہ ذمہ داریوں کا فرق بنتا ہے۔ چونکہ بہت سے معاشروں میں خواتین اپنی زندگی کا زیادہ تر حصہ سماج کے کھینچے ہوئے تنگ نجی دائروں میں گذارتی ہیں، اس لئے ان کی مشکلات اور ان پر ہونے والی مظالم بھی لوگوں کی نگاہوں سے اوجھل رہتے ہیں ۔ اس کے علاوہ ، خواتین کی ایک بڑی تعداد کو جنسی تشدد کا سامنا بھی کرنا پڑتا ہے جسے بدنامی کے خوف اور شرمندگی کی بنا پر رپورٹ نہیں کیا جاتا ۔ یہ وہ عوامل ہیں جن کی وجہ سے خواتین کی مذہبی یا عقیدے کی آزادیوں کی خلاف ورزیوں کے مسئلے کو مناسب انداز سے حل کرنے میں مشکل پیش آتی ہے۔

مذہب یا عقیدے کی آزادی کے موضوع پر تحقیق اور جوابی اقدامات میں 'صنفی اندھے پن' کی وجہ بہت حد تک شعور و آگہی کی کمی ہے مگر کچھ ایسے مذہبی عناصر بھی ہیں جو خواتین کی مذہب یا عقیدے کی آزادی کے حق کے بارے میں اپنے خدشات تک سامنے لانے کی مخالفت کرتے ہیں۔ یہ مذہبی حضرات 'صنف' اور 'فیمنزم' جیسی اصطلاحات کو مکمل طور پر منفی معنوں میں لیتے ہیں اور نتیجتاً صنفی مساوات کو ایک ایسا تصور سمجھتے ہیں جو مرد و خواتین کے درمیان فرق مٹانے کی کوشش کرتے ہوئے روایتی خاندانی نظام کی بقا خطرے میں ڈال سکتا ہے۔ بعض مذہبی حضرات کے نزدیک صنفی مساوات کا مطلب 'چیزوں کی فطری ترتیب' کی خرابی ہے جس میں مرد خاندان اور سماج میں قائدانہ کردار ادا کرنے کے لئے بنایا گیا ہے اور خواتین کا کام محض یہ ہے کہ وہ ان کی قیادت کے تابع رہتے ہوئے ان کی حمایت کریں۔ اس تناظر میں ، خواتین کے مساوی حقوق کو مذہبی طبقات اپنے عقائد کے مطابق مذہب پر عمل پیرا ہونے کی راہ میں بہت بڑا خطرہ سمجھتے ہیں۔

> ''مذہب یا عقیدے کی آزادی کا تصور انسانوں کو ایسے افراد کے طور پر دیکھتا ہے جو اپنی شناخت کو تشکیل دینے والے [تصورات و نظریات پر] پختہ یقین رکھتے ہیں۔ انسانی زندگی کی اس اہم جہت کو تسلیم کئے بغیر انسانی حقوق زمین پر انسانی صورتِ حال کی پیچیدگیوں سے ہرگز انصاف نہیں کر پائیں گے''۔

سب کے لئے مذہب یا عقیدے کی آزادی : خواتین کے حقوق کا ایک اہم پہلو

مذہب یا عقیدے کی آزادی اور خواتین کے حقوق کے درمیان تعلق پیچیدہ نوعیت کا ہے۔ خواتین کے دو حقوق کے بارے میں جنم لینے والی دو غلط فہمیوں نے دو مخالف دھڑے تشکیل دیے ہیں جو ان حقوق کی حمایت کر کے مشکلات میں مزید اضافہ کر دیتے ہیں۔ مثال کے طور پر، مذہب یا عقیدے کی آزادی کو بعض اوقات ایک ایسا حق سمجھ لیا جاتا ہے جس کا مقصد مذہب کا تحفظ ہے۔ اس غلط فہمی کے نتیجے میں قدامت پسند اور پدر شاہی مذاہب کو تقویت ملتی ہے اور وہ صنفی مساوات کے مقصد کے حصول کے لئے رکاوٹ بن جاتے ہیں۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ مذہب یا عقیدے کی آزادی کے شعبے پر بھی روایتی طور پر مذہبی حضرات کا غلبہ رہا ہے جنہیں خواتین کے حقوق اور صنفی مساوات میں کبھی کوئی دلچسپی نہیں تھی ۔یہی وجہ ہے کہ مذہب یا عقیدے کی آزادی کے تصور کے بارے میں اس بے بنیاد تاثر کو تقویت حاصل ہوئی ہے کہ اس کا مقصد دراصل مذہب کا تحفظ ہے۔

اس سلسلے میں پہلی غور طلب بات یہ ہے کہ مذہب یا عقیدے کی آزادی دراصل آزادیٔ فکر کے اصول کی پاسداری کی علامت ہے جس کا مقصد صرف ان اقدامات اور طریقہ ہائے کار کا تحفظ ہے جن کا ایک فرد آزادانہ طور پر انتخاب کرتا ہے۔ تاہم مذہب یا عقیدے کی آزادی کی خلاف ورزیوں کے ساتھ خاص طور پر ان اقدامات کی شناخت میں مشکلات عام رہی ہیں جو مذہب یا عقیدے کی آزادیوں کا تحفظ یقینی بناتے ہیں۔ اس لئے مذہب کے نام پر کیے جانے والے ہر کام کا جواز مذہب یا عقیدے کی آزادی ہرگز نہیں ہو سکتی۔ اسی طرح ، مذہب یا عقیدے کی آزادی کسی بھی ایسے عمل کا تحفظ نہیں کرتی جو طاقت کے استعمال، دھمکی، یا کسی بھی قسم کے جبر پر مبنی ہو۔ لہٰذا ، مذہب یا عقیدے کی آزادی کے نام پر کسی بھی نقصان دہ عمل کو جائز قرار دینا ، مذہب یا عقیدے کی آزادی کے حق کا انتہائی غلط استعمال ہے۔

دوسری قابل غور بات یہ ہے کہ مذہب یا عقیدے کی آزادی ایک ایسا حق ہے جو افراد اور طبقات کی حفاظت کرتا ہے۔ یہ مذاہب یا عقائد کے نظام، ان کی روایات، اقدار اور مطلق سچائی کے دعوؤں کی فی ذاتہ حفاظت نہیں کرتا ۔ اس کے علاوہ ، مذہب یا عقیدے کی آزادی کسی بھی مذہب کی 'عزت و حُرمت' کی بھی حفاظت نہیں کرتی کہ اسے تنقید و تضحیک سے بچایا جا سکے ۔ اس کے علاوہ مذہب یا عقیدے کی آزادی [کا حق] ہمیں یہ یاد دلاتا ہے کہ مذہب کے بنیادی تجریدی و مابعد الطبعیاتی نظریات و اقدار کے برعکس یہ کسی بھی مذہب پر یقین کرنے والا انسان ہے جو کسی بھی مذہب یا عقیدے کی روایت کا محور و مرکز ہے۔ نظریات و عقائد صرف اسی وقت تک بامعنی اور مربوط رہتے ہیں جب تک کہ انسان اور مذہبی طبقات ان کی تشریح و تبلیغ کرتے اور ان پر عمل پیرا رہتے ہیں۔

تیسری غور طلب بات یہ ہے کہ مذہب یا عقیدے کی آزادی بطور انسانی حق تنوع اور رنگا رنگی کے احترام کو ملحوظِ خاطر رکھتے ہوئے ریاستوں سے مطالبہ کرتا ہے کہ وہ کسی ایک مذہبی حیثیت و شناخت کو دُوسری مذہبی حیثیت و شناخت پر ترجیح نہ دیں ۔ تاہم افسوسناک بات یہ ہے کہ آزادی اور رنگا رنگی کے احترام کے اس اصول کو عام طور پر غلط سمجھ کر ایک طرف کچھ مذہبی عناصر مذہب یا عقیدے کی آزادی کو ان لوگوں کے خلاف ، خاص طور پر صنفی و جنسی معاملات پر، امتیازی سلوک کے حق میں جواز کے طور پر پیش کرتے ہیں جو اُن سے مختلف مذاہب یا مسالک سے تعلق رکھتے ہوں۔ دوسری جانب خواتین کے حقوق کے کچھ حامیوں کا کہنا ہے کہ مذہب یا عقیدے کی آزادی کا حق اس لئے مفید ہے کیونکہ یہ مذہبی روایات کی آزادانہ تشریحات کی حفاظت اور حمایت کرتا ہے۔ قدامت پسند اور لبرل طبقات کی جانب سے پیش کئے جانے والے ان خیالات سے قطع نظر یہ بات ذہن میں رکھنا ضروری ہے کہ مذہب یا عقیدے کی آزادی کے حق کا مقصد مذاہب کی آزادانہ اور لبرل تشریحات کی بجائے لوگوں کی داخلی آزادیوں کا تحفظ ہے ۔ یہاں پر یہ بات بھی ذہن میں رکھنا ضروری ہے کہ مذہب یا عقیدے کی آزادی کو محدود نہیں کیا جاسکتا اور ریاستیں مذہب یا عقیدے کی کوئی ایک تعریف شہریوں پر مسلط نہیں کر سکتیں ۔ اس کے برعکس ریاستوں کی ذمہ داری ہے کہ وہ کسی بھی مذہب کی ایسی عملی شکلوں کا احترام اور تحفظ یقینی بنائیں جو جبر کا سہارا نہیں لیتیں۔

اگر اس کا مثبت استعمال کیا جائے تو مذہب یا عقیدے کی آزادی (ایف او آر بی) کی اساس میں موجود تنوع اور رنگا رنگی کا احترام ایک مثبت طاقت کا کردار ادا کرسکتا ہے۔ اس کی مدد سے نہ صرف مذہبی روایات میں سوالات اور مکالمے کا سلسلہ شروع کیا جاسکتا ہے بلکہ مذہبی کتب اور سرگرمیوں کی عصری مسائل کی روشنی میں تشریحِ نو کا بھی آغاز ممکن ہے۔ اگر اس حق کی بنیادوں میں موجود رنگا رنگی کے اصول کا مکمل احترام کیا جائے تو مذہب یا عقیدے کی آزادی سے روایتی طور پر امتیازی سلوک کا شکار گروہوں، خاص طور پر خواتین کو، اختیارات اور تقویت مل سکتی ہے۔ خواتین اس حق کے بل بوتے پر اپنے سوالات، تجربات اور مطالبات سامنے لاکر اپنی مذہبی روایات کی بنیادوں میں موجود کہنہ پدر شاہی ڈھانچوں کو چیلنج کر سکتی ہیں ۔

اس سلسلے میں یہ چوتھی وضاحت بھی ذہن میں رکھنی چاہیے کہ بعض لوگوں کے نزدیک مذہب یا عقیدے کی آزادی خواتین کے حقوق کی راہ میں رکاوٹ سمجھی جاتی ہے اور یہ خیال اس مفروضے پر مبنی ہے کہ مذہب ہر حال میں خواتین کے لئے بُرا اور اُن کے مساوی حقوق کے لئے زہر قاتل ہے۔ تاہم یہ خیال پیش کرنے والے یہ بھول جاتے ہیں کہ مذہب دنیا بھر کی بہت سی خواتین کی زندگیوں میں ایک اہم اور مثبت کردار بھی ادا کرتا ہے۔ مذہب امید، حوصلہ افزائی اور ذہنی سکون کی وجہ بننے کے ساتھ ان میں قدر کا احساس، شناخت اور احساسِ تعلق بھی پیدا کرتا ہے ۔ تاہم ایسے بیانئے جو صرف خواتین کے ساتھ مذہب کے نام پر پیش آنے والے منفی چیزوں پر توجہ مرکوز رکھتے ہیں وہ بہت حد تک خواتین کو محض غیر فعال متاثرین کے طور پر پیش کر کے ان کی متحرک جدوجہد پر بھی پردہ ڈالتے ہیں۔

مذہب کے بارے میں صرف منفی نکتۂ نظر اس بے بنیاد یقین کی اساس بنتا ہے کہ وہ خواتین جو کوئی مذہب یا عقیدہ کو اختیار کرتی ہیں ان کے پاس صرف دو راستے ہی بچتے ہیں: یا تو وہ مذہب ترک کر کے آزاد ہوجائیں یا پھر اپنے مذہب سے منسلک رہیں اور آزادی و مساوات کا خواب دیکھنا چھوڑ دیں ۔ اگرچہ خواتین کی ایک بہت بڑی تعداد مذہب امتیازی شکلوں سے تنگ آکر ان سے آزادی کا علم بلند کرنا چاہتی ہیں لیکن کئی خواتین ایسی بھی ہیں جو آزادی اور اپنے عقیدے میں سے کسی ایک کا نہیں دونوں کا انتخاب کرنا چاہتی ہیں۔ یہاں پر ایک اور بات ذہن میں رکھنا بھی بے حد ضروری ہے کہ عملی طور پر مذہب کو خواتین کے ساتھ امتیازی سلوک کے جواز کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے لیکن اس کا مطلب ہرگز یہ نہیں مذہب یا عقیدے کی آزادی صنفی مساوات اور مذہب یا عقیدے کی آزادی ایک دوسرے سے ہم آہنگ ہونے کی بجائے متصادم ہیں۔

مقدمہ

مزدور مہاجرین کو کئی سطحوں پر امتیازی سلوک کا سامنا ہے

غربت کی وجہ سے ایشیا یا افریقہ کی مذہبی اقلیتوں سے تعلق رکھنے والی اکثر خواتین بیرونِ ملک گھریلو ملازماؤں کے طور پر کام کرنے پر مجبور ہیں اور دورانِ ملازمت یہ خواتین صنف، قومیت، مذہب اور مالی حیثیت کی وجہ سے بہت سی محرومیوں کا شکار کردی جاتی ہیں۔

مثال کے طور پر قطر میں مقامی خواتین کو قانونی تحفظ حاصل نہیں۔ یہاں مسیحی بھی اقلیتی گروہ بھی رہتے ہیں جنہیں اکثریتی مسلمان آبادی کے مقابلے میں حاصل حقوق اور آزادیاں نہ ہونے کے برابر ہیں۔ مثال کے طور پر یہاں بطور گھریلو ملازمہ کام کرنے والی ایک مسیحی خاتون کی امیگریشن دستاویزات اکثر اس کا آجر ضبط کرلیتا ہے۔ یہاں تک کہ آجر اگر اس کے ساتھ بدسلوکی بھی کرے تو وہ اس ملک میں کسی بھی قسم کی قانونی معاونت کی امید نہیں رکھ سکتی۔

یہ خواتین کے خلاف انسانی حقوق کی خلاف ورزیوں اور کثیر جہتی تفریق کی محض ایک مثال ہے۔ اس صورتِ حال میں سی ای ڈی اے ڈبلیو کا مقصد خطرات سے دوچار خواتین کی اذیت ناک صورتِ حال کو منظرِ عام پر لانا ہے کیونکہ یہ خواتین نہ صرف صنفی بنیادوں پر امتیازی سلوک کا شکار ہیں بلکہ مالی وسائل، امیگریشن دستاویزات اور قانونی تحفظ کی عدم موجودگی بھی انہیں مزید مشکلات کا شکار کررہی ہے۔

ایسے میں مذہب یا عقیدے کی آزادی (ایف او آر بی) کا حق ہمیں یاددلاتا ہے کہ عقیدے اور مذہب کی بنیاد پر شناخت بھی امتیازی سلوک کی ایک وجہ بن سکتی ہے۔ اس لئے مذہب یا عقیدے کی آزادی کا حق، مثال کے طور پر کسی مذہب یا عقیدے سے تعلق رکھنے والی خواتین یا اقلیتی گروپس سے تعلق رکھنے ان افراد کو بااختیار بنانے کی کوشش کرتا ہے جنہیں اس آزادی کی ضرورت ہے۔ اسی لئے مذہب یا عقیدے کی آزادی کے لئے سرگرم کارکنان اور خواتین کے مساوی حقوق کے لئے کام کرنے والوں کے لئے ضروری ہے کہ وہ مل جل کر کام کریں تاکہ خواتین کے حقوق کے حصول کی راہ میں حائل کئی سطحوں پر موجود امتیازی

خواتین کی زندگیوں میں مذہب یا عقیدے کے کردار کی اہمیت اس حقیقت کی طرف اشارہ کرتی ہے کہ مذہب یا عقیدے کی آزادی اور خواتین کے حقوق کے درمیان گہرا تعلق ہے کیونکہ مذہب اور عقیدے کی آزادی بھی خواتین کو بااختیار بنانے میں اہم کردار ادا کرتی ہے۔ اس لئے آپ مذہب یا عقیدے کی آزادیوں کے لئے کام کریں یا خواتین کے حقوق کے لئے، آپ ایک مشترکہ مقصد کے حصول کے لئے سرگرم ہوں گے۔ مذہب یا عقیدے کی آزادی اور خواتین کے حقوق کے فروغ کے درمیان یہ ہم آہنگی صرف نظریاتی تجاویز و سفارشات تک محدود نہیں کیونکہ حقیقی دنیا میں یہ دونوں میدان ایک دوسرے سے ہم آہنگ ہورہے ہیں۔ ہمیں صرف ایک بات کو یقینی بنانے کی ضرورت ہے کہ ہم موجودہ ہم آہنگی کو تسلیم کرتے ہوئے دونوں حقوق کے تحفظ کے مشترکہ مواقع تلاش کریں۔ مثال کے طور پر سی ای ڈی اے ڈبلیو کمیٹی نے پہلے پہل مذہب پر بات چیت سے گریز کیا لیکن بعد میں یہ محسوس کیا خواتین تک رسائی کے لئے اس پہلو کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ لہٰذا، کمیٹی نے حال ہی میں حکومتوں کو متبادل مذہبی تشریحات کو فروغ دینے کی ترغیب دینا شروع کی ہے جن کی مدد سے وہ مسائل حل کئے جاسکتے ہیں جہاں خواتین کے حقوق اور مذہب کا بظاہر ٹکراؤ دکھائی دیتا ہے۔ لہٰذا، اس وقت اُمید ہو چلی ہے کہ اس سے ایک ایسی دنیا کی تشکیل کے لئے کام ممکن ہوگا جس میں خواتین کو ان کی جنس، مذہب یا عقیدے کی وجہ سے امتیازی سلوک کا سامنا نہ کرنا پڑے۔

سلوک کا خاتمہ ممکن بنایا جاسکے۔

بات چیت کے لئے سوالات

1. کیا باب 1 کے مطالعے کے بعد آپ خواتین کے حقوق اور مذہب یا عقیدے کی آزادی کے درمیان تعلق کے بارے میں آپ کے علم میں اضافہ ہوا ہے؟ اگر ہوا ہے، تو آپ اسے کیسے بیان کریں گی / گے؟

2. کیا آپ کو ایسی مثال ملی ہے جہاں مذہب یا عقیدے کی آزادی اور خواتین کے مساوی حقوق ایک دوسرے سے مطابقت نہ رکھتے ہوں؟ اگر آپ کے پاس ایسی مثالیں ہیں تو آپ ان کی تائید میں کون سے دلائل پیش کریں گے؟

3. کیا آپ کو ایسی صورتِ حال کا علم ہے جس میں مذہب یا عقیدے کی آزادی کے حق کی مدد سے انسانوں کی بجائے مذہب یا مذہبی روایات کا تحفظ کیا گیا ہو؟

4. کیا آپ کے پاس ایسی صورتِ حال کی مثالیں موجود ہیں جن میں مذہب یا عقیدے کی آزادی کے حق کو جواز بناتے ہوئے خواتین کے خلاف امتیازی سلوک روا رکھا جارہا ہو؟

باب 2 مذہب یا عقیدے کی آزادی کی خلاف ورزیاں خواتین پر کس طرح مختلف انداز میں اثر انداز ہوتی ہیں؟

مذہب یا عقیدے کی آزادی پر پابندیاں مرد اور خواتین دونوں کو متاثر کرتی ہیں لیکن ان آزادیوں کی خلاف ورزیوں کی بعض اشکال ایسی ہیں جو مردوں کی نسبت خواتین کو مختلف انداز میں متاثر کرتی ہیں۔ صنفی بنیادوں پر مذہبی مظالم پر ہونے والی حالیہ تحقیق سے پتہ چلتا ہے کہ مرد، اعداد و شمار کے لحاظ سے ، مذہبی ظلم و زیادتی کی

'مرکوز' شدید اور ایسی اشکال کا شکار ہوتے ہیں جو واضح طور پر دکھائی دیتی ہیں۔ اس کے برعکس مذہبی بنیادوں پر ہونے والی ظلم و زیادتی برداشت کرنے والی خواتین ، اعدو شمار کے لحاظ سے،پیچیدہ، پرتشدد مگر 'پوشیدہ' مظالم کا شکار ہوتی ہیں ۔

پوشیدہ خلاف ورزیاں

مختلف پسِ منظر رکھنے والی خواتین کی زندگیوں کا بیشتر حصہ نجی زندگیوں تک محدود کردیا جاتا ہے جبکہ مرد گھر سے باہر عوامی میدان میں سرگرمِ عمل رہتے ہیں۔ یہ امتیازی صورت حال مذہب یا عقیدے کی آزادی کی خلاف ورزیوں کی زمین ہموار کرنے کے ساتھ ساتھ خواتین کو ان کا شکار بنانے میں اہم کردار ادا کرتی ہے۔

خواتین کے خلاف مذہب یا عقیدے کی آزادی کی خلاف ورزیاں پوشیدہ نوعیت کی کیوں ہوتی ہیں؟ اس لئے کیونکہ یہ خلاف ورزیاں گھریلو سطح پر ہوتی ہیں اور یہ زیادہ تر خلاف ورزیاں ریاستی عناصر کی بجائے ان کے خاندان یا مقامی لوگ کرتے ہیں۔ اس لئے سب سے اہم خاندان ہے جو خواتین کے لئے ان نقصان دہ روایات کی حوصلہ افزائی کرتا ہے جن میں خواتین کے ختنوں (ایف جی ایم / سی) سے لے کر بچی کی پیدائش سے قبل اسقاطِ حمل، شیر خوار لڑکیوں کے قتل، جبری اور کم عمری کی شادی، جنسی تشدد، ازدواجی عصمت دری، غیرت کے نام پر قتل اور تعلیم یا روزگار تک رسائی فراہم کرنے سے انکار تک سب شامل ہیں۔ ایسے میں ایک عورت اگر اپنا مذہب تبدیل کرتی ہے یا پھر کسی دوسرے عقیدے پر ایمان لے آتی ہے تو اُسے اضافی مشکلات کا سامنا کرنا پڑ سکتا ہے۔ مثال کے طور پر اسے اپنے خاندان سے تعلق توڑنے سے لیکر جبری طلاق یا شادی کرنا پڑ سکتی ہے اور ثانی الذکر صورتِ حال میں اس کے لئے خاوند کا انتخاب بھی وہ عورت نہیں بلکہ اس کا خاندان کرتا ہے۔ اس کے علاوہ، اپنے مذہب یا عقیدے کی آزادی ظاہر کرنے پر خواتین کا گھر سے نکال دیا جانا ان کے لئے انتہائی مشکل ہوسکتا ہے کیونکہ انہیں سر چھپانے کے لئے چھت اور آمدنی کا ذریعہ تلاش کرنا نہایت مشکل ہوسکتا ہے۔ دنیا کے بہت سے ممالک میں ایسے خاندانوں کی حوصلہ شکنی کی جاتی ہے جن کی سربراہ خاتون ہو یا پھر طلاق یافتہ خواتین کو نوکری بھی نہیں دی جاتی۔ اس کے علاوہ، لڑکیوں کے سکول جانے یا گھر سے باہر نوکری کرنے کو بدنامی کا باعث سمجھا جاتا ہے اور یوں خواتین میں اپنی روزی خود کمانے کی مہارتوں کو کچل دیا جاتا ہے۔

اس صورتِ حال میں گھر خواتین کے لئے ایک ایسا خفیہ مقام بن جاتا ہے جہاں ان کے مذہب یا عقیدے کے انتخاب کے حق کو سزا دینے یا 'درست' کرنے کے نام پر دباؤ اور تشدد کا شکار کیا جاتا ہے۔ چونکہ یہ سب خلاف ورزیاں گھر کی چاردیواری میں ہوتی ہیں، لہٰذا ان کا پتہ لگانا، ریکارڈ مرتب کرنا یا جوابی اقدامات اٹھانا ناممکن کی حد تک مشکل ہوجاتا ہے۔

> ''آفاقی حقوق کی شروعات کہاں سے ہوتی ہیں؟ چھوٹی جگہوں سے، جو ہمارے گھر کے قریب ہیں ۔ اتنی قریب اور اس قدر چھوٹی کہ انہیں دنیا کے نقشوں پر نہیں دیکھا جاسکتا۔ لیکن یہ جگہیں کسی فرد کے لئے اس کی دنیا ہو سکتی ہے۔ وہ فرد جس محلے میں رہتا، جس سکول یا کالج میں پڑھتا ہے۔ وہ فیکٹری، کھیت یا دفتر جہاں وہ کام کرتا ہے۔ یہ وہ جگہیں ہیں جہاں پر مرد، عورت اور بچہ بلا امتیاز مساوی حقوق ، انصاف، مساوی مواقع اور وقار چاہتا ہے۔ اگر حقوق ایسی جگہوں پر وجود نہیں رکھتے تو ان کا کہیں بھی وجود ہے اور نہ کوئی مطلب۔ اگر لوگ اس بات پر فکر مند نہیں ہیں کہ ان چھوٹے چھوٹے مقامات پر حقوق کا خیال رکھا جائے تو ہمارا دنیا کی ترقی کا خواب دیکھنا بھی ایک بیکار عمل کے سوا کچھ نہیں''
>
> ۔ ایلینور روزویلٹ

عزت کی رکھوالیاں

دنیا بھر میں خواتین کو ان کی مخصوص صنفی خصوصیات اور سماج کی طرف سے مسلط توقعات کی بنا پر انسانی حقوق کی اضافی خلاف ورزیوں اور سماجی دباؤ کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ اکثر اوقات نوکری پیشہ خواتین کو ان کے مرد ہم منصبوں کے مقابلے میں کم اہمیت دی جاتی ہے۔ انہیں جسمانی اور فکری لحاظ سے کمتر اور کمزور سمجھا جاتا ہے اور ان کے جنسی پہلوؤں کو ایسی خطرناک چیز سمجھا جاتا ہے جس کو کڑی نگرانی کے ذریعے قابو میں رکھنا ضروری ہو۔ یہ رویہ ایک بار پھر اس حقیقت کی طرف توجہ دلاتا ہے کہ خواتین کے خلاف مذہب یا عقیدے کی آزادی کے حق کی خلاف ورزیوں پر توجہ نہیں دی جا سکتی کیونکہ ان کے اس بنیادی حق کی پامالی معاشرے میں ان کے خلاف پہلے سے موجود امتیازی سلوک اور بدسلوکی کے بھاری پردوں کے پیچھے چھپ جاتی ہے۔ اس کے علاوہ بہت سے ممالک میں خواتین اور لڑکیوں کے خلاف جرائم کے سلسلے میں معاشرتی سطح پر قبول شدہ استثنیٰ کی وجہ سے بھی مردوں کی نسبت عورتوں کو ان مظالم کا نشانہ بنانا آسان ہوجاتا ہے۔

خواتین کو اپنے خاندان یا برادری کی عزت کا بوجھ اٹھانے کی ذمہ داری بھی دی جاتی ہے اور اسی بنا پر انہیں مردوں کی سرپرستی کا محتاج بنا کر ان کا دائرہ حیات نجی و خاندانی زندگی تک محدود کردیا جاتا ہے ۔ تمام آفاقی حقوق کی طرح ، مذہب یا عقیدے کی آزادی کی روح کا بھی یہ اصول ہے کہ تمام انسان آزاد اوریکساں وقار کے ساتھ جنم لیتے ہیں۔ اس لئے مذہب یا عقیدے کی آزادی کا حق اس اصول کو تسلیم نہیں کرتا ہے کہ ایک فرد محض کسی دُوسرے کی غیرت کی رکھوالی کرے ۔ کسی بھی معاشرے میں خواتین کے کردار اور ذمہ داریوں کے بارے میں یہ پدر شاہی تصورات خواتین پر پہلے سے ہونے امتیازی سلوک اور ظلم و ستم کی پرتوں پر نئی پرتیں چڑھا دیتے ہیں۔

جنسی تشدد

خواتین پر جنسی تشدد مذہب یا عقیدے کی آزادی کی خلاف ورزیوں میں سب سے زیادہ رپورٹ کی جانے والی خلاف ورزی ہے جس کا شکار مردوں سے زیادہ خواتین ہوتی ہیں۔ مذہبی گروہوں کے مابین تنازعات سمیت تمام مسلح تنازعات میں اجتماعی عصمت دری کو منظم اور بڑے پیمانے پر ہتھیار کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے جس کے بعد زمین کا کوئی ٹکڑا نہیں بلکہ عورت کا جسم ہی میدان جنگ بن جاتا ہے جس کی مدد سے عورت یا اس کی برداری کے عقیدے پر قابو پانے کی کوشش کی جاتی ہے۔ وہ ممالک جہاں مذہبی و مسلکی بنیادوں پر تشدد اور ظلم و زیادتی عام ہے ، ایک مذہبی برداری یا مسلک پر حملوں کا آغاز اس برادری یا مسلک کی خواتین پر جنسی تشدد سے ہوتا ہے ۔ ایسے ممالک میں مذہبی اقلیت سے تعلق رکھنے والی خواتین اور لڑکیوں کو جنسی تشدد کے خطرات کا سامنا دیگر ممالک کی خواتین سے کی نسبت زیادہ ہوتا ہے۔ تحقیق سے حاصل ہونے والے اعدادوشمار سے پتہ چلتا کہ مرں کے مذہبی ظلم و زیادتی کے نتیجے میں ہلاک ہونے کے امکانات زیادہ ہیں جبکہ خواتین کو جنسی استحصال، عصمت دری یا جنسی غلامی کا نشانہ بنایا جاتا ہے۔ جو مرد جان سے ہاتھ دھو بیٹھتے ہیں انہیں ممکنہ طور پر شہید قرار دیا جاتا ہے۔ اس کے برعکس وہ خواتین جو جنسی زیادتی اور شہوانی غلامی سے بچ جاتی ہیں ، انہیں ایسے کسی اعزاز سے نہیں نوازا جاتا بلکہ ان کے پیچیدہ صدمے پر سماجی تنہائی ، شک اور دھتکار دینے جیسے نئے اور اذیت ناک صدمات کا بوجھ لادا جاتا ہے ۔ عام طور پر انہیں نئے صدمات کا شکار کرنے والا وہی مذہبی گروہ ہوتا ہے جس کی حمایت کی سزا عورت کے حصے میں آتی ہے۔ اس کے علاوہ بہت سے مذہبی طبقات جبری عصمت دری کرنے والوں کی بجائے عصمت دری سے بچ جانے والی خواتین کو بدنامی کا طوق پہناتے ہیں۔ عزت گنوانے کا الزام ملزم کی بجائے متاثرہ خواتین پر لگایا جاتا ہے اوریوں خواتین پر امتیازی سلوک اور جبر کا سلسلہ جسمانی و جنسی حملے پر ہی ختم نہیں ہوتا ، اس کے بعد اوریہاں تک کہ موت تک خواتین کا تعاقب کرتا ہے ۔

عصمت دری کے نتیجے میں ہونے والی شرمندگی اور بدنامی خاتون اور اس کے مذہبی طبقے کے لئے تباہ کن نتائج کا باعث بنتی ہے۔ تنہائی ، قطع تعلقی ، قتل اور دھتکارے جانے کے خوف سے خواتین عصمت دری کے واقعات کی اطلاع دینے میں بے حد مشکلات کا سامنا کرتی ہیں۔ اس کے علاوہ خواتین پر خاندان اور اپنے مذہبی طبقے کی عزت بچانے کا بھی اضافی دباؤ ڈالا جاتا ہے۔ اس لئے زندہ بچ جانے والی خواتین کو اپنا صدمہ چھپانے پر مجبور یا پھر عصمت دری کرنے والے مجرم سے شادی کرنے پر مجبور کردیا جاتا ہے۔

جنسی تشدد کو خواتین کی مذہبی رسومات ادا کرنے کے عمل کو قابو میں رکھنے کے لئے بھی استعمال کیا جاتا ہے۔ کچھ معاملات میں خاندان کے قریبی اراکین یا کمیونٹی کے طاقتور لوگوں کی طرف سے کی جانے والی عصمت دری کا استعمال مذہب تبدیل کرنے والی خواتین کو 'غلط' عقیدے کا انتخاب کرنے اور خاندان کی بدنامی کرانے کی سزا کے طور پر کیا جاتا ہے۔

اغوا اور جبری شادی

اقلیتی مذاہب اور عقائد سے تعلق رکھنے والی لڑکیوں اور خواتین کا اغوا اور جبری شادیاں مذہب یا عقیدے کی آزادی کی خلاف ورزیاں ہیں جن کا ارتکاب ایک مذہبی گروہ کی آبادی کو کنٹرول کرنے کے لئے کیا جاتا ہے۔ اقلیتی گروہوں میں سے جوان اور تولیدی صلاحیت کی حامل خواتین کا اغوا متاثرہ گروہ کی آبادی میں کمی کا باعث بنتا ہے اور متاثرہ گروہ میں نئی نسل کی کمی اس کی بقا خطرے میں ڈال دیتی ہے۔

جبری شادی عام طور پر احترام کے پردے میں سرانجام پاتی ہے۔ تاہم جبری شادی کے سلسلے میں یہ ذہن میں رکھنا ضروری ہے جب شادی میں خاتون کی رضامندی شامل نہ ہو تو شادی محض ایک ایسا معاہدہ بن کر رہ جاتی ہے جو مرد کو جنسی تشدد اور دیگر دباؤ کا حق دیتا ہے جس سے ایک خاتون کبھی آزاد نہیں ہو سکتی۔ جنسی تشدد کے علاوہ، جبری شادیوں میں مذہب یا عقیدے کی آزادی کی دیگر خلاف ورزیاں بھی شامل ہوجاتی ہیں جن میں غلامی، مذہب کی جبری تبدیلی، اغوا، مرضی کے خلاف حمل، جنسی عمل سے منتقل ہونے والی بیماریاں، جبری طور پر خاص لباس پہننے پر مجبور کرنا اور آزادانہ نقل و حرکت، صحت کی دیکھ بھال اور تعلیم کے حصول پر پابندیاں شامل ہیں۔ افسوسناک بات یہ ہے کہ جبری شادیوں کا شکار ہونے والوں میں ایک بڑی تعداد کم عمر لڑکیوں کی ہوتی ہے۔

سخت سماجی جبر اور کنٹرول

چونکہ خواتین کو اپنے خاندان اور برادریوں کی عزت کی رکھوالیاں سمجھا جاتا ہے، اس لئے انہیں مردوں کے مقابلے میں کہیں زیادہ سماجی قیدوبند کا بھی سامنا کرنا پڑتا ہے۔ اس سماجی قیدوبند یا پابندیوں کا اطلاق نہ صرف ان کی گھریلو زندگیوں پر بلکہ سماجی حیات پر بھی ہوتا ہے۔یہاں پر یہ بھی یاد رکھنا ضروری ہے کہ خواتین کو قابو میں رکھنے کے لئے مختلف عناصر حرکت میں رہتے ہیں جن میں مرد، مذہبی رہنما، ریاستی عناصر اور خواتین کی اپنی مذہبی برادریاں پیش پیش ہوتی ہیں۔ خواتین کی آزادیوں کی ان خلاف ورزیوں کی ذمہ داری نہ صرف مردوں پر عائد ہوتی ہے بلکہ پدرشاہی سانچوں میں ڈھلی خواتین بھی ان میں بھرپور حصہ ڈالتی ہیں۔یہاں پر یہ بھی ذہن میں رکھنا چاہیے کہ مردوں میں سے اکثر خواتین کے حقوق کے علمبردار بن کر ابھرتے ہیں۔

دنیا بھر میں لاکھوں خواتین اور لڑکیوں کے لئے اپنا گھر چھوڑنا خطرناک ہے کیونکہ بعض معاشروں میں ان کی گھر کی چاردیواری سے باہر موجودگی کو ہی اشتعال انگیز حرکت سے تعبیر کیا جاتا ہے۔یہی وجہ ہے کہ ان معاشروں میں گھر سے سکول یا دفتر جاتے ہوئے خواتین کو جنسی ہراسانی اور یہاں تک کہ حملوں کا نشانہ بنایا جاتا ہے۔ سال 2012 میں پاکستان کی ایک 15 سالہ لڑکی کو سماجی دباؤ کے باوجود اپنے تعلیم کے حق اور اسکول جانے کی خواہش کے اظہار کی پاداش میں اس وقت اقدامِ

زندہ بچ جانے والی یزیدی خواتین کو ازسرِ نو صدمات سے دوچار کرنے کا کیس

سال 2014 میں یزنسل کشی کے دوران ہزاروں خواتین کو داعش کے فوجیوں نے اغوا کر کے جنسی غلام یا لونڈیاں بنائے رکھا۔ ان میں سے زیادہ تر خواتین کو عصمت دری کا نشانہ بنایا گیا اور ان کی مسلمان مردوں سے جبری شادیاں کرائی گئیں۔ جب یہ خواتین آزاد ہوئیں تو انہیں اپنی برادریوں کا ازسرِ نو حصہ بننے میں مشکلات کا سامنا کرنا پڑا کیونکہ شادی سے پہلے جنسی تعلقات اور بین المذاہب شادیوں کے خلاف یزیدی طبقات میں خواتین کے خلاف سخت قوانین موجود تھے۔

اس کے علاوہ، بہت سی خواتین کو مجبور کردیا گیا کہ وہ اپنے بچوں یا برادریوں میں سے ایک کا انتخاب کریں۔یوں انہیں داعش کے ہاتھوں اغوا ہونے، جنسی ہوس اور تشدد کا شکار ہونے کے صدمات کے بعد دوبارہ بھاری صدمات سے دوچار کیا گیا ۔

قتل جیسے سنگین جرم کا سامنا کرنا پڑا جب اسے سر میں گولی مار کر ہلاک کرنے کی کوشش کی گئی۔ خوش قسمتی سے یہ لڑکی، ملالہ یوسفزئی، اس حملے سے زندہ بچ گئی اور اس جرات اور بہادری کو دنیا بھر میں سراہا گیا۔ تاہم افسوس کی بات یہ ہے کہ ملالہ کی کہانی ایسی کئی کہانیوں میں سے ایک ہے جن کا انجام عام طور پر اچھا نہیں ہوتا۔ اگر عورت کا تعلق کسی اقلیتی مذہبی گروہ سے ہو تو اس کے خلاف عوامی مقامات پر تشدد کا امکان معمول سے زیادہ بڑھ جاتا ہے۔

مذہب یا عقیدے کی آزادی کا غلط استعمال کرنے خواتین پر معاشرتی کنٹرول قائم کرنے کا ایک طریقہ خواتین کو، مذہبی احکامات کی پابندی یا خلاف ورزی کے نام پر، خاص طرز کا لباس پہننے پر مجبور کرنا ہے۔ بہت سے ممالک نے خواتین کو منظم صنفی امتیاز کا نشانہ بنانے کی روایت پر عمل کرتے ہوئے انہیں اپنی مرضی کا لباس پہنانے کی حمایت کرنے کے قوانین کے معاشرتی اصولوں کو اپنایا ہے اور اس چلن کا عمومی اظہار پردے کی پابندی ہے۔ مثال کے طور پر سعودی عرب جیسے ممالک میں خواتین کو کپڑوں کے اوپر بھی جسم اور یہاں تک کہ چہرے کو ڈھانپ کر رکھنے کو کہا جاتا ہے جبکہ فرانس میں خواتین اگر عوامی مقامات پر پردہ کریں تو انہیں جرمانہ ادا کرنا پڑتا ہے۔ 2014 میں یہ دونوں متضاد پالیسیاں ہمیں ایک ہی ملک میں دکھائی دیتی تھیں۔ روس کے اندر، چیچنیا میں، خواتین کو سرکاری عمارات میں حجاب پہننے کی ہدایت تھی اور سٹاوریول میں سرکاری اسکولوں میں حجاب پہننے پر پابندی عائد تھی ۔ یہ مثالیں اگرچہ قانونی لحاظ سے مکمل طور پر باہم متضاد ہیں لیکن ان کا جنم ایک ہی مسئلے کی حامل ثقافت سے ہوتا ہے: وہ یہ کہ خواتین کو یہ بتایا جانا چاہیے کہ وہ کیا کر سکتی ہیں اور کیا نہیں ۔ لاکھوں خواتین کے لئے پردہ کرنا کوئی مذہبی مجبوری نہیں بلکہ ایک ایسا عمل ہے جس کا انتخاب پردہ کرنے والی خاتون خود کرتی ہے اور اس بنا پر ہم اس انتخاب کو مذہب یا عقیدے کی آزادی مان سکتے ہیں۔ تاہم قانونی طور پر اس پر پابندی لگانا یا پردہ کرنے پر مجبور کرنا مذہب یا عقیدے کی آزادی کی خلاف ورزی ہے کیونکہ یہ کسی ایسے عمل سے روکنے یا اُسے سرانجام دینے پر مجبور کرنا ہے جو کوئی اپنی مرضی سے نہیں کرنا چاہتی۔

مقدمہ

حیض کے دوران خواتین کو گھر سے نکال دینے کا معاملہ

مغربی نیپال میں خواتین اور لڑکیوں سے توقع کی جاتی ہے کہ وہ حیض کے ایام میں تمام قسم کے سماجی رابطوں سے گریز کریں۔ اس رسم کو 'چھوپدی' کہا جاتا اور جس کی بنیاد ایک ہندو عقیدہ ہے جس میں حیض کے دوران خواتین کو ناپاک سمجھا جاتا ہے اور انہیں مخصوص ایام کے دوران پہاڑوں میں ایک چھوٹی سی چھونپڑی میں بھیج کر عارضی طور پر بے گھر کردیا جاتا ہے۔ عارضی طور پر بے گھر کرنے کی اس روایت میں یہ بات قابلِ غور ہے کہ عام طور اس روایت کو مقامی برادریوں کی معمر خواتین نے زندہ رکھا ہوا ہے اور جوان خواتین کو جبراً اس پر عمل کرواتی ہیں۔

اس روایت کے خطرناک نتائج سامنے آتے ہیں۔ مثال کے طور پر، 2017 میں پہاڑوں میں ایام کے خاتمے پر گھر نہ لوٹنے پر تلاش کرنے پر ایسی ہی ایک جھونپڑی میں ایک 18 سالہ لڑکی کی لاش ملی۔ پوسٹ مارٹم کے بعد پتہ چلا کہ لڑکی کی موت تنہائی کی قید کے دوران ایک زہریلے سانپ کے ڈسنے سے ہوئی۔ اس لڑکی کے علاوہ دیگر کئی لڑکیاں آلودگی، صاف خوراک اور پانی کی کمی یا برفانی سردی میں جم جانے سے اذیت ناک موت کا شکار ہوئیں۔

بات چیت کے لئے سوالات

1. اس باب میں ایسی کئی مثالیں پیش کی گئی ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ مذہب یا عقیدے کی آزادیوں کی خلاف ورزیاں مردوں اور خواتین پر مختلف انداز میں اثر انداز ہوتی ہیں۔ ان میں سے کس مثال کو آپ اپنی مقامی سطح پر (یا اس علاقے میں جہاں آپ کام کررہے ہیں) دیکھ سکتے ہیں؟ کیا آپ اپنے علاقے میں بھی ایسے مسائل کی شناخت کرتے ہیں؟

2. ان مسائل کی فہرست مرتب کریں جن کا ایک مرد کو اپنا مذہب تبدیل کرنے پر سامنا ہوسکتا ہے۔ اس کے بعد ان مسائل کی فہرست مرتب کریں جن کا سامنا ایک عورت کو اپنا مذہب تبدیل کرنے پر ہوسکتا ہے۔ دونوں فہرستوں کا تقابل کرتے ہوئے فرق کی نشاندہی کریں۔

3. اس باب میں یہ بتایا گیا ہے کہ خواتین کے خلاف مذہب یا عقیدے کی آزادی کی خلاف ورزیاں عام طور پر پوشیدہ ہونے کی وجہ سے منظرِ عام پر نہیں آتیں۔ آپ کے خیال میں ان کے پوشیدہ ہونے اور منظرِ عام پر نہ آپانے کی وجوہات کیا ہیں؟

4. 'عزت اور غیرت' کے تصورات کا خواتین کی آزادی پر (جس میں مذہب یا عقیدے کی آزادی بھی شامل ہے) گہرا اثر پڑتا ہے۔ آپ کے خیال میں ایک عورت کو ہی خاندان یا برادری کی عزت کی رکھوالی کیوں سمجھا جاتا ہے؟ اسی طرح، آپ کے خیال میں خواتین کو مردوں کے مقابلے میں زیادہ سماجی قید وبند (کنٹرول) کا سامنا کیوں کرنا پڑتا ہے؟

5. غیر جنسی تشدد کے بعد بچ جانے والوں کو عام طور پر سراہا جاتا ہے جبکہ جنسی تشدد کے بعد بچ جانے والوں کو ندامت اور بدنامی کا شکار بنایا جاتا ہے۔ آپ کے خیال میں ایسا کیوں ہوتا ہے؟ کیا آپ کو اپنے معاشروں میں بھی یہ تصورات عام دکھائی دیتے ہیں؟

باب 3 خواتین کی مذہبی یا عقیدے کی آزادیوں کو کیا چیز نقصان پہنچاتی ہے؟

بہت سے عوامل کی وجہ سے خواتین کو مردوں کے مقابلے میں مذہب یا عقیدے کی آزادی کی خلاف ورزیوں کا زیادہ سامنا کرنا پڑتا ہے۔ ان میں صنفی بنیادوں پر قائم امتیازی ثقافتی روایات، قومی پالیسیاں اور قانونی نظام چند ایسے عوامل ہیں جو خواتین کے مذہب یا عقیدے کی آزادی کے حق کے علاوہ ان کے دیگر مساوی حقوق کے حصول کی راہ میں حائل ہیں۔ اس لئے یہ سمجھنا بے حد ضروری ہے کہ یہ عوامل خواتین کی مذہب یا عقیدے کی آزادیوں کا دائرہ تنگ کرنے میں کیا کردار ادا کرتے ہیں۔

انسانی حقوق کے احترام کی ضمانت، تحفظ اور تکمیل کی قانونی ذمہ داری ریاست پر عائد ہوتی ہے لیکن مقامی برادریوں میں غیرریاستی عناصر کی اخلاقی ذمہ داری ہے کہ وہ ان حقوق کے احترام، تحفظ اور تعمیل و تکمیل میں اپنا حصہ ڈالیں۔ مذہب اور عقیدے کی آزادی سمیت خواتین کی مساوی حقوق تک رسائی ممکن نہ ہو پانے میں قومی قوانین کے علاوہ روایات، ثقافت، مذہب اور سماجی رسوم و رواج کا بھی دخل ہوتا ہے ۔ اس کے علاوہ، اکثر معاملات میں خواتین کے برابری کے حقوق کی راہ میں حائل روایات ریاست کی جانب سے غیر قانونی قرار پانے کے باوجود بھی جاری رہتی ہیں۔

مقدمہ

خواتین کو اپنے پیاروں کی آخری رسومات میں شریک ہونے کی اجازت نہ مل سکی

بہت سی ہندو برادریوں میں خواتین کو اپنے پیاروں کی آخری رسومات میں شریک ہونے کی اجازت نہیں دی جاتی جس میں شمشان گھاٹ جانا بھی شامل ہے۔ خواتین کو آخری رسومات میں شریک ہونے سے روکنے کی روایت کی بنیاد اس عقیدے پر ہے کہ خواتین ذہنی و جذباتی لحاظ سے کمزور ہوتی ہیں اور جلد خوف کا شکار ہوجاتی ہیں۔ اس لئے وہ اپنے پیاروں کی میت کو جلتا ہوا نہیں دیکھ پاتیں ۔

پدرشاہی

خواتین پر مسلط کئے جانے والے زیادہ تر امتیازی اصولوں کی بنیاد پدرشاہی روایات پر استوار ہے اور پدرشاہی روایات کی بنیاد اس مفروضے پر رکھی گئی ہے کہ مردوں کو زندگی کے داخلی اور خارجی ، گھریلو اور بیرونی دونوں پہلوؤں پر غلبہ حاصل کرنے کا پُورا حق ہے ۔ پدرشاہی اقدار خواتین کو ان کی جنس کی بنیاد پر کمتر اور مرد کا ماتحت گردانتی ہیں۔ اس طرح ان اقدار میں مردوں اور خواتین کے مابین طاقت کا توازن بگڑ جاتا ہے اور ان کے باہمی تعلقات میں غیر مساوی درجہ بندی اور غلبے کی نفسیات در آتی ہے۔ پدرشاہی اقدار نہ صرف نجی زندگیوں بلکہ مذہبی و تعلیمی اداروں ، سیاست ، دفاتر اور سماجی سطح پر دکھائ دیتی ہیں

پدرشاہی اقدار کے حامی اپنے رویوں کی حمایت میں مختلف قسم کے دلائل پیش کرتے ہیں۔ کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ انسانی دنیا میں پدرشاہی اقدار مردوں اور خواتین کے درمیان حیاتیاتی تفریق کی وجہ سے قائم ہے ۔ اس قسم کی دلیل میں خواتین کو بعض غلط فہمیوں کی بنیاد حیاتیاتی لحاظ سے کمتر مان لیا جاتا ہے۔ دیگر لوگوں کا خیال ہے کہ مرد اور عورت کے درمیان پدرشاہی درجہ بندی فطری ہے اور اسے فطرت کے دیگر قوانین کی طرح بدلا نہیں جاسکتا۔ تاہم اگر اس استدلال کا تنقیدی جائزہ لیا جائے تو یہ واضح ہوجاتا ہے کہ پدرشاہی اصول حیاتیات کا چیزوں کی فطری ترتیب اور درجہ بندی پر ہرگز مبنی نہیں بلکہ سماجی و ثقافتی طور پر گھڑے گئے متعصب صنفی اصولوں پر ہے جن کا مقصد مردوں کی طاقت ، اختیار اور غلبے کا تحفظ تھا ۔

یہاں پر یہ ذہن میں رکھنا ضروری ہے کہ پدرشاہی اقدار کو قائم رکھنے کے لئے صرف مرد ہی نہیں بلکہ خواتین بھی سرگرم رہی ہیں۔ اگرچہ پدرشاہی نظام میں خواتین کو کم مواقع میسر آتے ہیں لیکن یہ فرض کرنا بھی غلط ہے کہ اس میں خواتین کو مکمل طور پر بے اختیار کردیا جاتا ہے۔ کچھ خواتین ، پدرشاہی روایات کے اندر رہتے ہوئے، ان بنیادی ڈھانچوں سے

لڑنے یا انہیں تبدیل کرنے کی کوشش کرتی ہیں جو ان پر ظلم و زیادتی کا باعث بنتے ہیں اور دیگر ڈھانچوں کا تحفظ اور حمایت کرتی ہیں کیونکہ خواتین کے لئے اس صورت میں اپنی کمتر حیثیت کو قبول کرنا کوئ غیر معمولی بات نہیں رہتی جب ان کی ثانوی حیثیت کی بنیاد تحفظ اور مخصوص مراعات کے وعدے پر رکھی گئی ہو۔

خواتین کے خلاف جُملہ امتیازی سلوک کے خاتمے کے کنونشن (سی ای ڈی اے ڈبلیو) کا آرٹیکل 16 شادی اور خاندانی زندگی کے تمام معاملات میں مردوں اور عورتوں کی برابری کے بارے میں ہے۔ یہ آرٹیکل اس معاہدے میں شامل کسی بھی دوسرے آرٹیکل کے مقابلے میں زیادہ تحفظات پیدا کرتا ہے اگرچہ اسے اس کنونشن کی درع بنیادی شقوں میں سے ایک سمجھا جاتا ہے۔ ایک بین الاقوامی اور قانونی طور پر پابند کرنے والے معاہدے پر کسی ریاست کی طرف سے پیش کردہ تحفظات کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ وہ معاہدے میں پیش کردہ قانون کو قبول کرتی ہے سوائے کسی ایک آرٹیکل کے جس سے وہ خود کو بری الذمہ رکھنا چاہتی ہے۔ یہ ایک اور مثال ہے جو ظاہر کرتی ہے کہ کس طرح کی خواتین کی ذات کے بارے میں ایک قانون بہت سی ریاستوں میں قوم پرستی، مذہب ، سیاست کے لئے میدان جنگ کی شکل اختیار کرلیتا ہے ۔

ثقافتی و مذہبی روایات اور رسومات

پدرشاہی اقدار اور طرزِ عمل کا جواز عام طور پر مذہبی و ثقافتی روایات کے نام پر پیش کیا جاتا ہے۔ مذہب اور ثقافت ایسے پیچیدہ اور متحرک تصورات ہیں جن کی تعریف متعین کرنا یا وضاحت پیش کرنا نہایت مشکل ہوتا ہے۔ تاہم مذہب یا عقیدے کی آزادی اور خواتین کے حقوق کی مباحث میں مذہب کو عام طور پر واحد، طے شدہ اور جامد چیز کے طور پر پیش کیا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ، کسی خاص مذہب یا عقیدے سے تعلق رکھنے والے طبقات کو اکثر ایک دوسرے سے ہم آہنگ سمجھا جاتا ہے۔ لیکن اس ضمن میں یہ ذہن میں رکھنا ضروری ہے کہ کوئی مذہب یا عقیدہ رکھنے والے ہر گروہ کے اندر بھی مختلف آوازیں موجود رہتی ہیں جو مختلف نظریات اور آرأ کی نمائندگی کرتی ہیں۔ لہٰذا، مذہب یا عقیدے کے راسخ یا تبدیلی سے پاک ہونے کا فسانہ اس مذہب یا عقیدے سے تعلق رکھنے والے غالب نمائندے تخلیق کرتے ہیں کیونکہ مذہب یا عقیدے کے غیر متبدل ہونے سے ہی ان کے مفاد کا تحفظ ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کسی بھی مذہب یا عقیدے میں غالب گروہ ہمیشہ اس حقیقت کو نظر انداز کرتے دکھائی دیتے ہیں کہ ان کی روایت کی متبادل تشریحات پیش کرنے والی آوازیں بھی ہمیشہ ان کے اندر موجود رہتی ہیں۔

خواتین اور لڑکیوں کے لئے نقصان دہ اقدار کے جواز کے طور پر مذہب یا عقیدے کو استعمال کرنے کا ایک مسئلہ یہ ہے کہ نچلی سطح پر مختلف طبقات اپنے مذہب یا عقائد کی مقامی تشریحات پر عمل پیرا ہوتے ہیں۔ ان تعبیرات کا تعلق عام طور پر ہر جگہ کی مقامی رسوم و رواج اور ثقافت پر ہوتا ہے اور اس طرح ان کا مرکزی یا 'سرکاری' تشریحات سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ اس کی ایک عام مثال خواتین کے ختنے یا ان کے جسم کے مخصوص حصوں کی کانٹ چھانٹ (FGM/C) ہے۔ اس پر مسیحی اور مسلمان علما کا دعویٰ ہے کہ ان روایات کا ان کے مذاہب سے کوئی تعلق نہیں مگر ان رسومات کو سرانجام دینے والوں کا ماننا ہے کہ خواتین کے ختنے یا جنسی اعضا کی قطع و بُرید ان کے مسیحی یا اسلامی عقائد کا اہم حصہ ہے۔ ایک اندازے کے مطابق ہر سال تیس لاکھ لڑکیوں کو مذہب کے نام پر ختنوں یا ایف جی ایم / سی کے نقصان دہ اور خطرناک مرحلے سے گزارا جاتا ہے۔

مذہب یا عقیدے اور ثقافت کے درمیان تعلق پیدا کرنے والی گنجلک ڈور کو سلجھانا اس وقت نہایت ضروری ہوجاتا ہے جب ہمیں یہ سننے کو ملتا ہے کہ مذہب اور عقیدہ کچھ نقصان دہ رسومات اور طرزِ عمل کا جواز فراہم کرتا ہے۔ مذہب یا عقیدے اور ثقافت کے درمیان حدِ فاصل قائم کرنا ان لوگوں کے لئے ضروری ہے جو اپنی روایات کی اصطلاح کرنا چاہتے ہیں اور اس صورتِ حال میں ریاست پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ مقامی اصطلاح کاروں کا تحفظ یقینی بنائے۔ ایسے مصلحین کا خیال ہے کہ کسی مذہب یا عقیدے سے منسوب کچھ طرزِ عمل ثقافتی ماحول کا نتیجہ ہوتے ہیں اور اس لئے انہیں ان کی مذہبی روایات کا اجزائے ترکیبی یا بنیادی عناصر نہیں سمجھا جاسکتا۔

اقوامِ متحدہ ترقیاتی پروگرام (یو این ڈی پی) کی جانب سے پہلا جینڈر سوشل نارمز ایڈیکس 2020 میں شائع ہوا تھا جس میں 75 ممالک سے جمع شدہ اعدادو شمار کا تجزیہ کیا گیا۔ تجزیے کے نتائج سے پتہ چلا کہ دنیا میں 90 فیصد مرد اور خواتین، خواتین کے خلاف متعصب خیالات رکھتے ہیں۔ سروے میں شریک ہون تقریباً 50 فیصد افراد کا یہ ماننا تھا کہ مردوں میں بہترین سیاسی قائدین بننے کی صلاحیت ہوتی ہے جبکہ 40 فیصد کا خیال تھا کہ مرد ہی بہتر بزنس ایگزیکٹوز بننے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ اعدادو شمار کے نتائج سے سامنے آنے والا ایک پریشان کن نتیجہ یہ بھی تھا کہ 28 فیصد مرد اور خواتین کا خیال تھا کہ مردوں کو اپنی بیویوں کو مارنے کی اجازت ہونی چاہیے۔

مذہبی قوم پرستی

مذہبی عقائد کی تشکیل، سماجی اصولوں اور رسوم و رواج کی وضاحت، شناخت اور احساس وابستگی کی بنیاد بننے کے لئے سماجی و سیاسی سرمایے میں حصہ ڈالنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ لوگوں کی عوامی و نجی زندگیوں میں مذہب کی اہمیت اور مرکزی حیثیت نے اسے اقتدار کی کشمکش اور طاقت کی رسہ کشی میں ایک پُرکشش اور طاقتور ہتھیار بنادیا ہے اور اس کی انتہائی شکل ہمیں سیاسی مفادات کے حصول کے لئے مذہبی قوم پرستی کے رجحان میں دکھائی دیتی ہے۔ اس طرز کی قوم پرستی کی بنیاد عام طور پر مذہب کی رجعت پسندانہ اور روایتی تشریحات پر رکھی جاتی ہے اور یہی تشریحات پدرشاہی اقدار کے فروغ کا باعث بھی بنتی ہیں۔ مذہبی قوم پرست تحاریک میں عام طور پر خواتین کو 'قوم کی ماؤں' کا کردار دیا جاتا ہے اور سیاستدان خواتین کو اس کردار تک محدود رکھنے کے انعام کے طور پر شہرت بھی حاصل کرتے ہیں اور بے پناہ طاقت بھی۔

خواتین کو صرف 'قوم کی ماؤں' کی آنکھ سے دیکھنا ان کے جُملہ حقوق سے انکار ہے جس میں مذہب یا عقیدے کی آزادی کا حق بھی شامل ہے۔ تاہم خواتین کے ان حقوق کو عام طور پر مغرب سے درآمد شدہ تصور قرار دیا جاتا ہے اس لئے مذہبی قوم پرستوں کے ہاں خواتین کے حقوق مقامی شناخت اور ثقافتی سالمیت کے لئے زہر قاتل سمجھے جاتے ہیں۔ یہ خاص طور پر انفرادی حقوق اور مساوات کے تصورات کے بارے میں بھی سوچا جاتا ہے جو ان ثقافتوں سے مطابقت نہیں رکھتے جو فرقہ ورانہ اقدار اور درجہ بندیوں پر مبنی صنفی ڈھانچوں کو فروغ دیتی ہیں۔ تاہم اس نوعیت کی ثقافتی نسبت پسندی (یا اضافیت) اکثر غالب اکثریت کی طرف سے اپنی طاقت برقرار رکھنے اور خواتین کی کمتر سماجی و قانونی حیثیت یقینی بنانے کے لئے اختیار کی جاتی ہے۔ جب ان سے پوچھا جائے تو خواتین اور اقلیتی گروپ عالمگیر انسانی حقوق کے حق میں ہوتے ہیں جو انہیں مساوی مواقع کی ضمانت فراہم کرتے ہیں اور ان کی ثقافتی شناخت کے لئے بھی خطرہ نہیں ہوتے۔ اس کے علاوہ، زیادہ تر قومی آئین خواتین کے مساوی حقوق اور عدم امتیاز کی وضاحت کرتے ہیں جس سے ثقافتی نسبت پسندی کی دلیل اخلاقی و قانونی طور پر ناقابلِ قبول ہوجاتی ہے۔

مقدمہ

خواتین کی شادی اور بچے پیدا کرنے کی آزادی کو ریگولیٹ کرنے والے قوم پرستانہ قوانین

2015 میں میانمار نے بدھ مت کی اکثریتی آبادی کے مفادات کے تحفظ کے لئے نسل اور مذہب پر چار قوانین پیش کئے۔ ان قوانین کو، جو مذہب اور صنف کی بنیاد پر امتیازی سلوک کو قانونی شکل دیتے تھے، نسل اور مذہب کے تحفظ کے لئے تشکیل دی جانے والی تنظیم (ماباتھا) کی پشت پناہی اور حمایت حاصل تھی جو بدھ بھکشوؤں اور راہبوں کی ایک تنظیم ہے اور اسلام مخالف و متشدد قوم پسند ایجنڈے کو فروغ دیتی ہے۔

ان چار قوانین میں سے ایک قانون ''بدھ خواتین کا خصوصی شادی بل'' تھا جو واضح طور پر بدھ خواتین کو دوسری مذاہب کے مردوں سے شادی کرنے کے حقوق کو نشانہ بنا کر اس حق سے انکار کو قانونی حمایت فراہم کرتا ہے۔ اس کے علاوہ یہ قانون وسیع پیمانے پر پائے جانے والے متعصب خیالات کا استعمال کرتا ہے کہ بدھ خواتین 'کمزور' ہیں اور ان کے دیگر مذاہب سے تعلق رکھنے والے شوہر انہیں زبردستی مذہب تبدیل کرنے پر مجبور کردیں گے۔

ایک اور قانون، جو بڑھتی ہوئی آبادی پر قابو پانے اور صحتِ عامہ کے متعلق ہے، خاندانی منصوبہ بندی کے حق پر کاری ضرب لگاتا ہے۔ مثال کے طور پر یہ قانون غریب علاقوں میں اقلیتی مذاہب سے تعلق رکھنے والی خواتین سے یہ تقاضا کرتا ہے کہ ان کے ہاں بچوں کی پیدائش کے درمیان 36 ماہ کا وقفہ ضروری ہے۔ شاید ظاہری طور پر اس قانون میں کوئی مسئلہ دکھائی نہ دے مگر یہ ایک ایسا ماحول پیدا کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے جو خاندانی منصوبہ بندی کا جبری اطلاق چاہتا ہے اور اس کے نتیجے میں اقلیتی آبادیوں کے لئے مانع الحمل ادویات کا جبری استعمال، نس بندی اور اسقاطِ حمل جیسی مشکلات پیدا ہوسکتی ہیں۔

نقصان دہ مذہبی بنیاد پرستی

خواتین کے مساوی حقوق اور مذہب یا عقیدے کی آزادی کے حق کو خطرناک مذہبی بنیاد پرستی کے بڑھتے ہوئے دباؤ کا سامنا ہے۔ مثال کے طور پر میانمار میں بدھ مت، ہندوستان میں ہندو، نائجیریا میں اسلامی، امریکہ اور پولینڈ میں مسیحی اور دیگر بنیاد پرستی تحریکیں۔ گذشتہ دو عشروں کے دوران، دنیا نے ایسی پُر تشدد اور عسکری بنیاد پرست تحریکوں کو سر اٹھاتے دیکھا ہے جو اپنے مذہبی نظریات اور تشدد کی وکالت کرنے والی الٰہیات کی مدد سے نہ صرف خواتین پر ظلم و زیادتی کی مرتکب ہوتی رہی ہیں بلکہ ان سب نے خواتین کے خلاف نفرت اور تعصب کو بھی نئی انتہاؤں تک پہنچا دیا ہے۔ خواتین اکثر بنیاد پرست قوتوں کا اولین ہدف ہوتی ہیں جو ان کے جسم، تولیدی حقوق اور سماجی کرداروں پر قبضہ جمانا چاہتی ہیں۔ تاہم دنیا میں ایسی خواتین بھی موجود ہیں جو بنیاد پرستی کی ابھرتی ہوئی لہر کے سامنے دیوار بن کر اپنی جدوجہد جاری رکھے ہوئے ہیں۔ خواتین کے حقوق کے لئے سرگرم کارکنان اور فیمنسٹ خاص طور پر مذہبی متون و مواد کی بنیاد پرستانہ تشریحات کو چیلنج کرتے ہوئے متبادل تشریحات پیش کرنے پر زور دے رہی ہیں۔ کردستان اور نائجیریا میں خواتین نے بنیاد پرست قوتوں کے خلاف مسلح مزاحمتی گروہ بھی تشکیل دیے ہیں۔

مذہبی اقلیتوں میں داخلی امتیاز

اقلیتی گروہوں کے ساتھ عام طور پر دوسرے درجے کے شہریوں کا سلوک کیا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ انہیں غدار اور معاشرتی ہم آہنگی کے لئے خطرے کے طور پر بھی پیش کیا جاتا ہے۔ اس لئے اقلیتی مذہب یا عقیدے سے تعلق رکھنے والی خواتین کی مذہبی یا عقیدے کی آزادیاں محدود تر ہو کر رہ جاتی ہیں۔ طویل عرصے تک یہ تجربات عدم تحفظ کے شدید احساس اور شناخت کے تحفظ کی ضرورت کو جنم دیتے ہیں۔ ایسے ماحول میں، اندرونی اختلافات کو اقلیتی گروہ کے اتحاد کے لئے انتہائی خطرناک سمجھا جاتا ہے۔ تبدیلی کے عمل کے خلاف مزاحمت کی جاتی ہے جس کا نتیجہ، عام طور پر، قدامت پسندی اور بے لچک مذہبی رویوں کی صورت میں نکلتا ہے۔ ایسے میں وہ خواتین جو قدیم اور متروک صنفی کرداروں کو للکارنا چاہتی ہوں یا مقدس کتب کی پدرسری تشریحات کو تنقید کا نشانہ بنانا چاہیں تو انہیں گروپ کی بقا کے لئے خطرہ سمجھ لیا جاتا ہے۔ ایسی صورتِ حال میں گروپ کی بقا کے تحفظ کو خواتین کی انفرادی ضروریات یا حقوق پر ترجیح دی جاتی ہے۔ مفادات کی یہ درجہ بندی خاص طور پر اس وقت پریشانی کا باعث بن سکتی ہے جب خواتین کو اپنے مذہبی رہنماؤں یا اپنی مذہبی برادریوں کی طرف سے جسمانی یا جنسی استحصال کا سامنا کرنا پڑے۔ بہت سی صورتوں میں خواتین پر یہ بھی دباؤ ڈالا جاتا ہے کہ وہ اپنے ساتھ ہونے والی بدسلوکی کے بعد انصاف یا گروپ کے تحفظ میں سے کسی ایک کا انتخاب کریں۔

مذہبی قوانین

مذہبی بنیادوں پر کی جانے والی قانون سازی خواتین کے لئے مذہب یا عقیدے کی آزادی سے لطف اندوزی کی راہ میں اضافی رکاوٹ بن جاتی ہے۔ وہ ممالک جہاں قانون کا ماخذ مذہبی اصول ہیں، خواتین کو ان کی صنفی حیثیت کی وجہ سے مسلسل ان کے حقوق سے محروم رکھا جاتا ہے۔ مذہبی قوانین اکثر خواتین کی اعلیٰ تعلیم، صحت کی دیکھ بھال، لیبر مارکیٹ اور عوامی عہدوں تک رسائی کی حدود کا تعین کرتے ہیں۔ خواتین کی ذاتی حیثیت کا تعین کرنے والے، پرسنل اسٹیٹس قوانین، شادی، خاندانی زندگی، طلاق، نان و نفقہ، بچوں کی تحویل، وراثت اور جائیداد کی ملکیت اور قبضے جیسے معاملات میں خواتین کی برابری کے اصول کو خاطر میں نہیں لاتے۔

خواتین کو تاریخ کے ہر دور میں مذہبی قوانین کی ترجمانی اور تشریح کے رسمی عمل سے باہر رکھا گیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مذہبی قوانین اکثر خواتین کے غیر متوازن صنفی کردار اور حقوق کی عکاسی کرتے ہیں۔

اگرچہ امتیازی قوانیں بلا تفریق تمام خواتین پر اثر انداز ہوتے ہیں لیکن اقلیتی مذاہب یا عقیدے سے تعلق رکھنے والی خواتین اکثریتی مذاہب سے تعلق رکھنے والی خواتین سے زیادہ خطرات سے دوچار ہوتی ہیں۔ طلاق، بچوں کی تحویل، بچوں کو قومیت یا مذہبی شناخت دینا کچھ ایسے معاملات ہیں جن میں مخصوص مذہبی گروہوں سے تعلق رکھے والی خواتین کو اضافی امتیازی سلوک اور بندشوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ مثال کے طور پر کسی مذہب پر یقین نہ رکھنے والی ملحد یا متشکک خواتین مذہبی خواتین سے بھی زیادہ کمزور کر دی جاتی ہیں کیونکہ مذہبی ماخذ پر استوار کوئی بھی قانون ان کے حقوق تو کیا وجود کو بھی تسلیم نہیں کرتا۔

ایسے میں یہ ذہن میں رکھنا ضروری ہے کہ مذہبی قوانین جامد نہیں متحرک ہوتے ہیں۔ وقت گذرنے کے ساتھ ان میں رواج اور عمل میں تبدیلی واقع ہوتی ہے۔ یہاں تک کہ یہ تبدیلیاں ان مذاہب پر مبنی قوانین میں بھی ناگزیر ہیں جو اپنے مذہبی قوانین کے اٹل اور غیر متبدل ہونے پر زور دیتے ہیں۔

مقدمہ

لبنان میں مذہبی اقلیتی ماؤں کی تحویل کے امتیازی قوانین

لبنان کے پرسنل اسٹیٹس قوانین کے مطابق، ایک مسیحی خاتون اپنے مسلمان شوہر کی وراثت کی حصہ دار نہیں ہوسکتی کیونکہ وہ اپنے خاوند کے مذہب پر ایمان نہیں لائی۔ بدقسمتی سے، اس امتیازی قانون کو غیر منصفانہ نہیں سمجھا جاتا کیونکہ لبنانی معاشرہ عام طور پر بین المذاہب شادیوں کو بُرا سمجھتا ہے۔

بین المذاہب شادیوں میں خواتین کے خلاف امتیازی سلوک بچوں کی تحویل کے قانون میں 2014 کی ترمیم سے بھی واضح ہوتا ہے۔ تازہ کاری کی غرض سے کی جانے والی اس ترمیم میں واضح کیا گیا ہے کہ ایک ماں اپنے بچے کو اس وقت تک حاصل نہیں کرسکتی جب تک کہ اس کی عمر 12 سال نہ ہوجائے اور میاں بیوی سُنی مسلمان نہ ہوں۔ تاہم اگر ماں مسیحی ہے جس نے سُنی مسلمان سے شادی کی ہے، وہ اس وقت اپنے بچے کو تحویل میں لے سکتی ہے جب بچے کی عمر پانچ سال ہوجائے۔ قانون کے مطابق، ماں کچھ بھی چاہے مگر بچے کا مذہب وہی ہوگا جو اس کے باپ کا مذہب ہے۔

بات چیت کے لئے سوالات

1. بہت سے امتیازی عوامل کا ملاپ خواتین کو مردوں کے مقابلے میں مذہب یا عقیدے کی آزادی کی خلاف ورزیوں کا خواتین کو زیادہ شکار کرتا ہے۔ امتیازی سلوک کے مختلف پہلوؤں کی نشاندہی کریں جو آپ کے معاشرے میں خواتین کو درپیش ہیں۔ ان میں سے کن پہلوؤں کا اثر ان کی مذہب اور عقیدے کی آزادیوں پر مرتب ہوتا ہے؟

2. آپ کے مقامی پس منظر میں، جس سے آپ واقف ہیں، کیا اکثریتی اور اقلیتی طبقات سے تعلق رکھنے والی خواتین مذہب یا عقیدے کی آزادیوں کی خلاف ورزیوں کے دباؤ کا مختلف انداز میں تجربہ کرتی ہیں؟

3. اس باب میں ایک جملہ شامل ہے کہ 'جب ان سے پوچھا جائے تو اقلیتی گروہ آفاقی انسانی حقوق کی حمایت کرتے ہیں جو مساوی سلوک کی ضمانت دیتے ہیں اور ان حقوق کو اپنی ثقافتی شناخت سے الگ نہیں سمجھتے'۔ کیا یہ جملہ آپ کے مقامی تجربات کی ترجمانی کرتا ہے؟

4. کیا آپ کا واسطہ کبھی اس پدرشاہی دلیل سے پڑا ہے کہ درجہ بندیاں اور مرد و عورت کے درمیان فرق فطری ہے؟ آپ اس دلیل کو کس طرح رد کرتے ہیں؟

5. اس باب میں مختلف عوامل پر بات کی ہے جو مل کر خواتین کی مذہب اور عقیدے کی آزادیوں کو منفی طور پر متاثر کرتے ہیں۔ آپ کے پس منظر میں خواتین کی مذہب اور عقیدے کی آزادیوں کو سب سے زیادہ متاثر کرنے والا مظہر کون سا ہے؟

باب 4 ہم کیا کرسکتے ہیں؟

خواتین کو مذہب یا عقیدے کی آزادی کا حق دلانے کے لئے کچھ تجاویز

خواتین کے مساوی حقوق اور مذہب یا عقیدے کی آزادی درمیان تفریق کرنا ایک پیچیدہ اور گنجلک مسئلہ ہے۔ اس صورتِ حال میں نیچے دی گئی سفارشات صرف خواتین کے حقوق کے بہتر تحفظ کے لئے ممکنہ اقدامات ہیں جن کی مدد سے انہیں مذہب یا عقیدے کی آزادی کا حق بھی حاصل ہوسکتا ہے۔ اس لئے یہ کسی بھی صورت میں خواتین کو ان کے حقوق کی منزل تک پہنچانے والے اقدامات کی مکمل فہرست نہیں ہیں۔ درحقیقت ان سفارشات میں سے ایک اہم مشورہ یہ ہے کہ خواتین کے حقوق اور ان کے مذہب یا عقیدے کی آزادی کے حق کو سمجھنے کے لئے مزید تحقیق کی ضرورت ہے تاکہ خواتین کو درپیش مسائل کو سمجھنے اور انہیں بے نقاب کرنے کا سلسلہ جاری رہے۔

■ حقوقِ نسواں اور مذہب یا عقیدے کی آزادی کے لئے سرگرم کارکنوں کے درمیان تعاون اور مکالمے کی ضرورت

تمام خواتین کے مذہب یا عقیدے کی آزادی کے حقوق حاصل کرنے کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ خواتین کے حقوق اور مذہب اور عقیدے کی آزادی (ایف او آر بی) کے درمیان عدم مطابقت ہے اور ان پر غور کرنے سے لوگ عام طور پر اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ ایک حق کے حصول کے لئے دُوسرے حق سے دستبردار ہونا پڑے گا۔ اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ خواتین کے برابری کے حقوق اور مذہبی روایات میں پائے جانے والے اصولوں کے درمیان تصادم غیر حقیقی ہے۔ اگرچہ اس تصادم کے نتیجے کے طور پر مخصوص حالات میں تنازعات بھی منظرِ عام پر آسکتے ہیں تاہم اس نوعیت کے تنازعات عام طور پر اس وقت جنم لیتے ہیں جب ہم مذہب یا عقیدے کی آزادی کی غلط تشریح یا پھر اس اصول کا غلط استعمال کرتے ہیں۔ لہٰذا مذہب یا عقیدے کی آزادیوں کے بارے میں ان غلط فہمیوں کا ازالہ ہی خواتین کو مذہب یا عقیدے کی آزادی کا حق دلانے کے عمل میں مرکزی حیثیت کا حامل ہے۔

حقوق نسواں کے حامیوں اور مذہب یا عقیدے کی آزادی کے لئے متحرک کارکنان کو یہ یاد دلانے کی ضرورت ہے کہ وہ کنبۂ انسانی کے ایک ہی گروپ کے حقوق کے لئے سرگرمِ عمل ہیں۔ تحقیق سے پتہ چلتا ہے کہ مذہب یا عقیدے اور جنس کی بنیاد پر امتیازی سلوک کا آپس میں گہرا تعلق ہے۔ لہٰذا

، اس وقت کی اہم ترین ضرورت یہ ہے کہ دونوں فریقین ان مشترکہ مقاصد اور مفادات کو تسلیم کریں۔ یہ مشترکہ مقاصد اور مفادات وہ راستے ہیں جو ان کے حقوق کے میدان میں اترنے کے مختلف داخلی راستوں کے باوجود انہیں ایک ہی مقام تک لے کر آتے ہیں۔ اگرچہ مکالے پر بات کرنا آسان مگر مکالے کا عمل اتنا ہی مشکل ہے مگر باہمی اعتماد میں اضافے کے لئے چھوٹے چھوٹے اقدامات اٹھانے اور مشترکہ مسائل پر مل جل کر سوچنے سے آگے بڑھنا ممکن بنایا جاسکتا ہے۔ دو انسانی حقوق کے لئے سرگرم گروہوں کے درمیان تعاون انتہائی فائدہ مند ہوسکتا ہے کیونکہ تمام انسانی حقوق ناقابل تقسیم اور ایک دوسرے پر منحصر ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ حقوق کے ایک مجموعے کا دوسرے مجموعے سے محروم ہوکر لطف اندوز نہیں ہوا جاسکتا۔

اعدادوشمار جمع کرتے اور مذہب یا عقیدے کی آزادی کی خلاف ورزیوں کا مقابلہ کرتے وقت خواتین کی آوازوں کا نظرانداز نہ کرنا

جیسا کہ پہلے ذکر کیا گیا ہے، مذہب یا عقیدے کی آزادی کی خلاف ورزیوں پر ہونے والی تحقیق سے حاصل ہونے والے زیادہ تر اعداد و شمار صنفی اندھے پن کا شکار ہیں کیونکہ ان سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ مذہب یا عقیدے کی آزادیوں کی خلاف ورزی خواتین پر بھی ویسے ہی اثرانداز ہوتی ہے جیسے مردوں پر۔ تاہم ایسا شاذونادر ہی ہوتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ تحقیقی شعبوں میں اعداوشمار کے درمیان منظم طرز کا تعصب موجود ہے جو کسی بھی انسانی تجربے کو اعدادوشمار کی مدد سے بیان کرتے وقت دنیا کی نصف آبادی—یعنی خواتین کے تجربات کو—شامل کرنے میں ناکام رہتا ہے۔ خاص طور پر اگر مذہب یا عقیدے کی آزادی کی خلاف ورزیوں کی بات کی جائے تو اس کے بارے میں ناکافی دستاویزات موجود ہیں کہ توہین مذہب، ارتداد اور مذہب کی تبدیلی کے قوانین کس طرح خواتین کو سے ختلف انداز میں متاثر کرتے ہیں۔ صنفی لحاظ سے اعداد و شمار کی تقسیم سے پتہ چلتا ہے کہ مذہب یا عقیدے کی آزادی کی خلاف ورزیاں مردوں اور خواتین بالکل مختلف انداز میں متاثر کرتی ہیں۔ مذہب یا عقیدے کی آزادی کے لئے اٹھائے گئے اقدامات کو شامل کرنے کی بات کی جائے تو اس سلسلے میں سب سے بڑی مشکل یہ پیش آتی ہے کہ مذاہب اور عقائد کی نمائندگی بھی عام طور پر مرد حضرات کرتے ہیں لہٰذا مقامی خواتین کے گروہوں کے ساتھ مشاورت اس بات کو یقینی بنانے کے لئے اہمیت اختیار کرجاتی ہے کہ ان آزادیوں کے فروغ کے لئے اٹھائے جانے والے اقدامات کی تیاری اور منصوبہ بندی کرتے وقت خواتین کی آوازوں اور تجربات کو ہمیشہ مدِ نظر رکھا جائے۔ مثال کے طور پر کسی بھی تحقیق سے قبل ٹارگٹ گروپ کے خانے میں صرف 'مذہبی قائدین' لکھنے کی بجائے، جن سے عام طور پر مردمراد لی جاتی ہے، 'مذہبی طبقات' یا صنفی لحاظ سے نیوٹرل اصطلاح لکھنے سے صنفی تعصب سے بچاؤ کا پہلا قدم اٹھایا جاسکتا ہے کیونکہ خواتین عام طور پر 'عقیدے پر عمل پیرا گروپ' کی ترجمانی کرتی ہیں جبکہ قیادت پر زیادہ تر مردوں کا غلبہ ہے۔

سیکولر فیمنسٹس اور مذہبی رہنماؤں کے مابین تعاون—مثالی اقدام

لبنان میں صنفی مساوات کے لئے ایک ریسورس سینٹر اے بی اے ڈی ہے جو خواتین کے خلاف تشدد کے خاتمے کے لئے کامیاب مہم چلا رہا ہے۔ 2012 میں اس مرکز نے ''ہمیں یقین ہے'' نامی مہم کا آغاز جس کا مقصد خواتین پر تشدد کی روک تھام تھا۔ اس مہم میں لبنان کے ممتاز مسلمان اور مسیحی علمائے کرام نے شرکت کی اور خواتین پر ہونے والے اس تشدد کے خلاف پیغامات دیے جن کی بنیادیں ان کی مقدس کتب میں ملتی ہیں۔ اسی مہم کے دوران لبنان، شام، عراق، اردن اور مصر سے تعلق رکھنے والے مذہبی رہنماؤں کے لئے دو روزہ علاقائی تربیتی ورکشاپ کا بھی اہتمام کیا گیا جس مقصدیہ معلوم کرنا تھا کہ وہ علما صنفی مساوات اور 'تعمیری مردانہ سوچ' کے فروغ کے لئے اپنے مذہبی اثر و رسوخ اور اختیار کو کس طرح استعمال میں لاسکتے ہیں۔

'ہمیں یقین ہے' نامی اس مہم کو کچھ فیمنسٹ گروپس کی طرف سے تنقید کا سامنا بھی کرنا پڑا۔ تنقید کرنے والے یہ گروپ اس بات پر فکرمند تھے کہ مہم کی سرگرمیوں کی مدد سے مذہبی قائدین کے پدرشاہی تصورات کو تقویت دی جارہی ہے۔ اس کے جواب میں اے بی اے ڈی نے خواتین کے خلاف تشدد، سرپرستی، نظم و ضبط اور فرمانبرداری، تحویل کے مسائل اور ان کے اثرات جیسے مسائل پر تبادلہ خیال کرنے کے لئے سیکولر فیمنسٹس اور مذہبی رہنماؤں کو ایک جگہ مدعو کرکے جواب دیا۔

مذہب یا عقیدے کی آزادیوں کی خلاف ورزیوں کے بارے میں اعدادوشمار جمع کرتے وقت خواتین کے خلاف جنسی اور دیگر قسم کے تجربات پر غور کرنا بے حد ضروری ہے تاکہ موثر انداز میں تجزیہ اور تقابل کرنے کی حکمت عملی تیار کرکے انصاف کی فراہمی یقینی بنائی جاسکے۔ جنسی تشدد کے بعد بچ جانے والی بہت سی خواتین کے لئے اکثر اپنے تجربات پر بات کرنا مشکل ہوجاتا ہے۔ اس سے یہ بات سامنے آتی ہے جنسی تشدد کس طرح خواتین کے خلاف مذہب یا عقیدے کی آزادی کی خلاف ورزیوں کا جزو ہے۔ اسی طرح محققین کی تربیت اور ان کے انتخاب پر بھی اضافی توجہ دینے کی ضرورت ہے۔ اس تربیت اور انتخاب کے دوران اس بات کو یقینی بنانا چاہیے کہ محققین نہ صرف متاثرہ خواتین کا انفرادی پس منظر سمجھنے کے قابل ہیں بلکہ وہ خواتین کا اعتماد جیت کر ان کے تجربات کا درست تجزیہ کرنے کے قابل ہیں۔

خواتین کی قدر اور حقوق پر دینیاتی غوروفکر کی حوصلہ افزائی اور حمایت

بعض طبقات، خواتین کے حقوق سے قطع نظر، یہ سمجھنے کی کوشش کررہے ہیں کہ مذہب یا عقیدے کی آزادیاں مذہبی اقدار سے کس طرح مطابقت رکھتی ہیں۔ مذہب یا عقیدے کی آزادیوں کا تصور بعض مذہبی حضرات کو سیکولر یا مغربی تصور لگتا ہے اور کچھ اپنے مذہبی یا ثقافتی پس منظر میں اسے درآمد شدہ تصور بھی سمجھتے ہیں۔ تاہم ان تمام شکوک و شبہات کا ازالہ مختلف عقائد اور ثقافتی روایات میں مذہب یا عقیدے کی آزادی کے اصولوں اور اقدار کے مابین مشترکات تلاش کرنے سے ہی ممکن ہوسکتا ہے جس کی ایک عمدہ مثال ہمیں 1947 میں انسانی حقوق کے عالمی اعلامیے (یو ڈی ایچ آر) کے مسودے کی تیاری کے لئے یونیسکو کی کمیٹی کو جاری ہدایات میں ملتی ہیں جو مختلف ثقافتوں اور مکاتبِ فکر کے مابین مشترکہ اقدار کا مطالعہ پر زور دیتی ہیں تاکہ انسانی حقوق کے عالمگیر اعلامیے کا ڈرافٹ تیار کیا جاسکے اور اس اعلامیے کو آج دنیا بھر میں تمام انسانی حقوق کے معاہدوں کی بنیادی دستاویز مانا جاتا ہے۔

مذہب یا عقیدے کی روایات کی بنیاد پر خواتین کے ساتھ امتیازی سلوک پر قابو پانے کے لئے بھی ہمیں اسی طرز کے نکتہ نظر اور طریقہ کار کی ضرورت پڑتی ہے۔ مذاہب یا عقائد کو اس کی حوصلہ افزائی کرنی چاہیے کہ وہ اپنے ان بنیادی بیانیوں کا اور اقدار کا جائزہ لیں جو خواتین کو کمتر اور ادھوری مخلوق کے طور پر پیش کرتے ہیں۔ اس مقصد کے لئے بعض اقدار کے تاریخی پس منظر کو سمجھنا بھی فائدہ مند ہوسکتا ہے جنھوں نے وقت گذرنے کے ساتھ مضبوط روایات کی شکل اختیار کرلی ہے۔ اس وقت ایک عصری مذہبی سوچ کی بے حد ضرورت ہے کہ جس میں عورتوں کو مردوں کے مساوی حقوق اور قابلیت کی حامل سمجھا جائے۔ اس کی ایک اہم مثال مذہبی طبقات کی طرف سے جنسی تشدد سے بچ جانے والی خواتین کی عزت پر توجہ مرکوز رکھ کر متاثرہ خواتین پر ہی الزام تراشی کرنا ہے۔ یہ صورتِ حال اس بات کی اہمیت کو بڑھا دیتی ہے کہ مذہبی تصویر کشی کے اس عمل میں خواتین کو بھی شامل کیا جائے کیونکہ ماضی میں خواتین کو مقدس کتب کی تشریح و تفہیم اور تعبیر کے عمل سے خارج کردیا گیا تھا جس کی وجہ سے آج مذہبی طبقات ان معاملات کو خواتین کی آنکھ سے نہیں دیکھ سکتے۔ یہاں پر ہم مذہب کو اندر سے تبدیل کرنے کی بات کررہے ہیں اور اس تبدیلی کے آتے آتے کئی سال لگیں گے۔ لیکن ایک مرتبہ تبدیلی آگئی تو یہ پائیدار تبدیلی ہوگی اور اس تبدیلی تک پہنچنے کا واحد، موثر اور پائیدار طریقہ یہی ہے۔

نئی دینیاتی و الٰہیاتی فکر کئی ذرائع سے مستفید ہوسکتی ہے جن میں کسی معاشرے میں عمومی تبدیلیاں، بین الاقوامی قانونی اصولوں سے تعارف، مقدس کتب کی نئی تشریحات بھی شامل ہیں۔ مذہب یا عقیدے کی آزادیوں کے فروغ سے ایک ایسا ماحول قائم کرنے میں مدد مل سکتی ہے جہاں مذہبی کتب کو نئے عصری تقاضوں کی روشنی میں پڑھنے اور ان پر بات کرنے کے سلسلے کا آغاز ممکن ہوسکتا ہے۔

بہترین مشق

خواتین اور لڑکیوں کے لئے خاندان میں مساوات قائم کئے بغیر معاشرے میں مساوات کا قیام ممکن نہیں—مثالی اقدام

دنیا کے 45 سے زائد ممالک نے ایسے اسلامی قوانین کو باضابطہ یا غیر ضابطہ بنایا ہے جو خواتین اور لڑکیوں کے خلاف امتیازی سلوک کا جواز بنتے ہیں۔ خواتین اور لڑکیوں کے لئے خاندانوں میں عدم مساوات انہیں زندگی کے تمام شعبوں متاثر کرتی ہے جس میں خاص طور پر تعلیم، روزگار، ذریعہ معاش، سفر، جنسی اور تولیدی صحت، مالی حقوق، کمیونٹی اور سیاسی سطح پر شراکت اور فیصلہ کرنے کا اختیار چھن جانا سب شامل ہیں۔

مساواۃ اسلامی عائلی و خاندانی قوانین میں انصاف کے حصول کے لئے کام کرنے والی ایک عالمی مہم کی قیادت کررہی ہے جو اس وقت تین خطوں— مشرق وسطیٰ، شمالی افریقہ، نیم صحرائی افریقہ جنوبی و جنوب مشرقی ایشیا— سے اسلامی عائلی و خاندانی قوانین میں اصلاحات کے حامیوں کو جمع کررہی ہے۔ مساواۃ تحریک دنیا بھر سے غیر سرکاری اداروں، سماجی کارکنوں، دانشوروں، قانونی ماہرین، پالیسی سازوں اور نچلی سطح کی خواتین اور مردوں پر مشتمل ہے۔ یہ سب انصاف کی مہم کے ذریعے علم اور صلاحیت میں اضافے، بین الاقوامی سطح پر پیروکاری (ایڈوکیسی) اور حدِ رسائی میں اضافے کی مدد سے زیادہ سے زیادہ لوگوں کو اپنے ساتھ ملا رہی ہے۔

■ خواتین کی مذہبی یا عقیدے کی شناخت کے جُملہ پہلوؤں پر غور

مغرب میں عام طور پر یہ سمجھا جاتا تھا کہ مذہبی حلقوں کی رُکنیت عام طور پر رضاکارانہ ہوتی ہے اور اگر فرد کو کسی حلقے میں امتیازی سلوک کا سامنا کرنا پڑتا ہے، تو اس حلقے کی رُکنیت سے آزاد ہو سکتا ہے۔ تاہم دیگر معاشروں میں مذہب یا عقیدے کی بنیاد پر ایک شناخت کا مطلب پیدائشی شناخت جیسا سمجھا جاتا ہے۔ بالفاظ دیگر، مذہبی وابستگی کسی ایسے تصور سے وابستگی نہیں ہوتی جس تک کوئی منطق یا عقل کی روشنی میں پہنچا ہو، یہ بس پیدائش کے حادثے کے ساتھ مل جاتی ہے۔ یہ وہ نکتہ ہے جسے یہ تجویز پیش کرتے وقت اکثر نظر انداز کیا جاتا ہے کہ اگر خواتین کو اپنے مذہب کی وجہ سے امتیازی سلوک کا سامنا ہے تو وہ اپنا مذہب چھوڑ کیوں نہیں دیتیں۔ تاہم یہ مذہب سے نکلنے کا یہ طریقہ کار (ایگزٹ سٹریٹیجی) بھی صنفی حساسیت کی واضح کمی کی آئینہ دار ہے کیونکہ اپنا عقیدہ یا مذہب ترک کرنا مرد کے لئے تو آسان ہو سکتا ہے مگر عورت کے لئے جو سماجی، معاشی اور ذاتی طور پر خود انحصار ہو یہ سب غیر عملی اور خطرناک بھی ہو سکتا ہے اور ناممکن بھی۔ جو عورت اپنا مذہب ترک کرنا چاہتی ہے تو اسے اپنی شادی اور بچوں سے محروم ہونے سے لے کر سماجی تنہائی اور انتہائی غربت تک کا سامنا کرنا پڑ سکتا ہے۔

مذہب یا عقیدے کی آزادی کی خلاف ورزیوں پر اعداد و شمار جمع کرنا جس حد تک ضروری ہے، اسی حد تک مذہب یا عقیدے کی برداری سے تعلق رکھنے کے مثبت پہلوؤں کو بھی ذہن میں رکھنا ضروری ہے۔ بہت سے لوگوں کے لئے ان کا عقیدہ ان کے احساسِ ذات کی بنیاد ہوتا ہے۔ وہ اس کی مدد سے زندگی کی سچائی تلاش کرتے اور اپنی زندگیوں کو بامعانی بناتے ہیں۔ اگرچہ بہت سی خواتین اپنی بعض مذہبی روایات سے اختلاف کر سکتی ہیں، مگر پھر بھی مذہب ان کی شناخت کا اہم حصہ رہتا ہے۔ اس لئے ضروری ہے کہ مذہب یا عقیدے کی آزادیوں کی خلاف ورزیوں کو کم کرنے کے لئے اٹھائے گئے اقدامات کے دوران مذہب کے مثبت پہلوؤں کو بھی مدِ نظر رکھنا چاہیے تاکہ خلاف ورزیوں کا حل کے طور پر خواتین کو ان کی مذہبی برادریوں سے دُور رکھنے اور اس سے پیدا ہونے والے خطرات سے بچا جا سکے۔

بہترین مشق

یزیدی رہنماؤں نے زندہ بچ جانے والی خواتین کی مدد کے لیے روایت تبدیل کر دی–مثالی اقدام

جب 2014 میں یزیدی خواتین داعش کی قید سے آزاد ہونے میں کامیاب ہوئیں تو ان کے لئے یہ مشکل ہو گیا تھا کہ وہ اپنی برادریوں میں دوبارہ شامل ہو سکیں کیونکہ ایک پرانی یزیدی روایت یہ کہتی تھی کہ بین المذاہب شادی یا کسی دوسرے مذہب کو قبول کرنے کی سزا اپنی برادری سے مستقل قطع تعلقی ہے۔ قید کے دوران بہت سی یزیدی خواتین کو داعش کے مسلمان دہشت گردوں سے شادی پر مجبور کر دیا گیا تھا بلکہ قید کے دوران انہیں اسلام قبول کرنے پر بھی مجبور کیا گیا تھا۔ واپسی پر انہیں یہ خطرات درپیش تھے کہ اپنی برداریوں میں ایک نیا صدمہ ان کا منتظر ہوگا۔ انہیں بدنام یا شرمندہ کیا جائے گا۔

تاہم جب زندہ بچ جانے والی خواتین کا پہلا گروہ واپس آیا تو اس کے کچھ عرصے بعد یزیدی رُوحانی پیشوا بابا شیخ نے مرکزی روحانی کونسل کے ساتھ مل کر ان خواتین کو قدیم روایت سے مستثنیٰ قرار دیا کیونکہ ان خواتین نے یہ سب اپنی مرضی سے نہیں کیا تھا بلکہ انہیں مجبور کر دیا گیا تھا۔ اس طرح ان خواتین کو اپنی برادریوں میں خوش آمدید کہا گیا اور انہیں پاک کرنے کے بپتسمہ کی رسم بھی منعقد کی گئی۔ روایت میں یہ ضروری تبدیلی زندہ بچ کر واپس آنے والی خواتین کی نفسیاتی صحت کے لئے نہایت مفید ثابت ہوئی۔ اب وہ نئے پن کے احساس کے ساتھ ایک بار پھر اپنی میں شامل کر لی گئی تھیں۔

■ خواتین کے مساوی حقوق اور مذہب یا عقیدے کی آزادیوں پر اثر انداز ہونے والے عوامل کے ملاپ کو سمجھنا

بہت سے نقصان دہ عوامل کی بنیادیں اگرچہ مذہب یا عقائد پر استوار دکھائی دیتی ہیں مگر ان کا تعلق زندگی کے دیگر پہلوؤں، مثال کے طور پر معاشرتی و معاشی خدشات سے بھی ہوسکتا ہے ۔ مثال کے طور مصر میں کچھ مسیحی خواتین روزگار سے محروم ہونے کے خوف سے خواتین کے ختنوں اور اعضا کی بظاہر مذہبی بنیادوں پر کاٹ چھانٹ کا کام کرنے پر مجبور ہیں ۔ اس کے علاوہ، سماجی تحفظ کی کمی والدین کو بیٹے پیدا کرنے اور نومولود لڑکیوں کے قتل پر بھی مجبور کر سکتی ہے کیونکہ لوگوں کے خیال میں لڑکے عمر رسیدہ والدین کا سہارا بنتے ہیں۔ اگر معاشی مفادات داؤ پر لگے ہوں تو امتیازی پالیسوں کو ختم کرنے کے لئے مذہب کو تبدیل کرنے کی بجائے معاشی پالیسیوں پر توجہ دینے کی ضرورت ہوتی ہے۔

ان مسائل سے کامیابی سے نمٹنے کے لئے نقصان دہ عوامل کی بنیادی وجوہات اور اُن وجوہات کے باہمی تعلق کو سمجھنا ضروری ہے۔ خواتین کی مذہب یا عقیدے کی آزادیوں کا فروغ ان کی تعلیم اور انصاف تک رسائی ، صحت کی دیکھ بھال، معاشی ترقی اور مواقع دستیاب ہونے پر منحصر ہے۔ اس لئے ہم دیکھتے ہیں کہ خواتین کی مذہب یا عقیدے کی آزادیوں کی خلاف ورزیوں کے واقعات عام طور پر امتیازی رویوں اور عوامل کی پیداوار ہوتے ہیں ۔ لہٰذا ان خلاف ورزیوں کو سمجھنے اور ان سے کامیابی سے نمٹنے کے لئے ان امتیازی رویوں اور عوامل سے نمٹنا ضروری ہے۔

"

''میں نے ایک بار ایک ایسے مذہبی رہنما سے بات کی تھی جنھوں نے اپنے ضلع میں خواتین کے ختنوں (ایف جی ایم) کو روکنے کے لئے انتھک کوششیں کی تھیں۔ وہ مقامی مذہبی رہنماؤں اور لوگوں سے بات چیت کرنے کے دوران بار بار وضاحت کرتے رہے تھے کہ اس عمل کا کوئی مذہبی جواز نہیں۔ اس کے باوجود لوگ خواتین کے ختنے کرنے پر بضد رہے اور یہ عمل جاری رہا۔ آخر میں وہ ان خواتین کے پاس گئے جو اس رسم کی انجام دہی کی ذمہ دار تھیں۔ مذہبی رہنما نے پوچھا کہ جب یہ واضح طور پر مذہبی حکم نہیں ہے تو وہ اس عمل کو کیوں جاری رکھے ہوئے ہیں؟ اس پر انہوں نے جواب دیا، ''اگر ہم یہ عمل روک دیں تو ہم اپنے بچوں کے لئے رزق کیسے کمائیں گے''

۔ ایڈ براؤن،
سیکرٹری جنرل، اسٹیفنس الائنس انٹرنیشنل ۔

خواتین کے اختیار و انتخاب کو تسلیم کرتے ہوئے ان کے فیصلوں کا احترام کرنا

خواتین کی مذہب یا عقیدے کی آزادی اور ان کے مساوی حقوق کے بارے میں گفتگو کے دوران خواتین کو خلاف ورزیوں کا شکار ہونے والی غیر فعال 'اشیا' کے طور پر پیش کیا جاتا ہے۔ انہیں اس انداز سے پیش کرنا ان کی باخبر فیصلے اور بہترین انتخاب کی بنیادی صلاحیت کی نفی ہے۔ اس رجحان کی ایک واضح مثال حجاب پر ہونے والی بحث ہے۔ کچھ ممالک میں خواتین کو اپنا سر ڈھانپنے کے لئے کپڑے کا استعمال کرنے پر مجبور کیا جاتا ہے جبکہ دیگر ممالک میں ایسا کرنے پر انہیں جرمانہ ادا کرنا پڑتا ہے۔ غور کریں تو ظاہری طور پر متضاد نظر آنے والی ان پالیسیوں کی وجہ ایک ہے—ایک پدرشاہی ثقافت—جو یہ سمجھتی ہے کہ خواتین فیصلے اور انتخاب کی صلاحیت سے محروم ہیں اور اپنی مرضی کا شخص نہیں اپنا سکتیں۔ واضح رہے کہ خواتین کو کچھ پہننے پر مجبور کرنا بھی اتنا ہی امتیازی رویہ ہے جتنا کہ انہیں کچھ نہ پہننے پر مجبور کرنا۔ خواتین کی برابری کے حقوق کی بنیاد ہی ان کے انتخاب کی آزادی پر ہے۔

یہ یاد رکھنا ضروری ہے کہ انتخاب کی آزادی کے مسئلے کا سامنا کرنے والی خواتین پہلے پہل مختلف اور، بعض صورتوں میں، متضاد انتخاب کرتے ہوئے حکمت عملی تشکیل دیں گی۔ کچھ اپنی روایات کو ترک کرنا چاہیں گی لیکن بعض روایات کے اندر رہتے ہوئے اپنے مقاصد اور مفادات کے حصول کے لئے گنجائش پجودا کرنے کی کوشش کریں گی۔ ان دونوں کے علاوہ کچھ اور خواتین بھی ہوں گی جو مقاصد و مفادات کے حصول کے لئے دیگر عملی راستے اختیار کریں گی۔ ان تمام حکمتِ عملیوں کا برابر احترام اور حمایت کرنے کی ضرورت ہے کیونکہ ان سب خواتین کی زندگیوں کے کسی بھی مرحلے میں ان کے ذہن بدل سکتے ہیں۔ انسانی حقوق میں صنفی مساوات کی بنیاد خواتین کے حقِ انتخاب کو تسلیم کرنے پر استوار ہے۔ چاہے وہ کوئی بھی منتخب کریں، خواتین کے حقِ انتخاب کا تحفظ اور فروغ بھی مذہب یا عقیدے کی آزادی کی بنیاد ہے۔

بات چیت کے لئے سوالات

1. کچھ ایسی وجوہات کی فہرست بنائیں کہ مذہبی طبقات اور خواتین کے حقوق کے کارکنان کو ایک ساتھ مل کر ان مسائل پر کیوں کام کرنا چاہیے جو خواتین کے حقوق اور مذہب یا عقیدے کی آزادیوں میں تفریق پیدا کرتے ہیں؟

2. اس باب میں درج چھ سفارشات میں سے کون سی آپ کے پسِ منظر، دائرہ کار اور دائرہِ عمل میں زیادہ موثر دکھائی دیتی ہے؟
3. آپ کے مقامی تناظر میں ان سفارشات میں سے کس پر عمل کرنا مشکل ہوگا؟

4. ایسے طبقات یا گروہوں کی فہرست مرتب کریں جو ان سفارشات پر عمل کرنے کے دوران آپ کے اتحادی ہوسکتے ہیں۔ اس فہرست میں ایسے طبقات یا گروہوں کو شامل کرنے کی کوشش کریں جن پر آپ نے پہلے کبھی غور نہ کیا ہو۔

5. کیا آپ کے مقامی تناظر میں مذہب یا عقیدے کی آزادی کی منزل کے حصول کے لئے کچھ دیگر سفارشات مرتب کی جاسکتی ہیں؟

> ”عورتوں کے حقوق کیوں؟ صرف انسانی حقوق اور ہر ایک کے لئے مذہب یا عقیدے کی آزادی کیوں نہیں؟
>
> [.....] کیونکہ یہ بددیانتی ہوگی۔ [خواتین کے حقوق] عام طور پر انسانی حقوق کا ہی حصہ ہیں —لیکن صرف انسانی حقوق کی مبہم اصطلاح کا استعمال مخصوص صنفی مسائل سے نظریں چرانا ہوگا۔ اگر عورتوں کے حقوق کی بات نہ کی جائے تو یہ بہانا کیا جاسکے گا کہ عورتوں کو صدیوں سے مرکزی دھارہ سے باہر نہیں رکھا گیا۔ یہ اس حقیقت کا انکار ہوگا کہ صنف کا مسئلہ عورت کو ہی نشانہ بناتا ہے۔ لہٰذا مسئلہ صرف انسان ہونے کا نہیں بلکہ مادہ انسان ہونے کا ہے۔ صدیوں سے دنیا بھر کے انسانوں کو دو گروہوں میں تقسیم کر کے ایک گروپ کو مرکزی دھارے سے باہر نکال کر اس کا استحصال کیا گیا ہے۔ مسائل اس وقت حل ہوں گے جب ان کا حل تلاش کرتے وقت اس حقیقت کو ہمیشہ مدِنظر رکھا جائے گا''۔ چمامندا انگوزی ادیچی

اختتامی کلمات

خواتین کے مذہب یا عقیدے کی آزادی اور ان کے حقوق کے حصول کے سفر میں کئی مشکلات موجود ہیں۔ ان میں سے کچھ مسائل پیچیدہ، کثیر الجہت اور کئی طرفہ ہیں اور ان بنیادیں اس نظام میں ملتی ہیں جو منظم انداز میں خواتین کے خلاف امتیازی سلوک کی روایت کو زندہ رکھنا چاہتے ہیں۔ اس کتابچے پر کام کرنے کے دوران ہمیں یہ احساس ہوا کہ ان حقوق کے مشترکہ طور پر حصول کی راہ میں اب بھی بہت سی غلط فہمیاں اور شکوک و شبہات حائل ہیں۔ ہم نے اس مسئلے سے نمٹنے کے لئے متعلقہ لٹریچر تلاش کرنے کی بھرپور کوشش کی مگر پتہ چلا کہ اس سلسلے میں مزید تحقیق اور مواد کے فروغ کی ضرورت ہے۔ ان تمام مشکلات سے نمٹنے کے لئے اس بات کی ضرورت ہے کہ مختلف شعبوں کے لوگ آگے بڑھیں جن میں سیاستدان، ماہرین تعلیم، محققین، سماجی کارکن اور اس مسئلے میں دلچسپی رکھنے والے بھی شامل ہوں۔ تاہم خواتین کے حقوق اور برابری کا مسئلہ صرف ان لوگوں کے لئے مخصوص نہیں ہونا چاہیے جو اس میں دلچسپی رکھتے ہیں۔ اس کے علاوہ یہ مسئلہ صرف خواتین کا مسئلہ بھی نہیں ہے۔ خواتین آدھی انسانیت کی نمائندہ ہیں اس لئے ان کے حقوق کے مسئلے کے ساتھ غیر اہم مسئلے جیسا سلوک نہیں کیا جاسکتا۔

1 **Fisher,** Helene, Elizabeth Lane Miller, and Eva Mayer. (2020) World Watch Research: 2020 Gender-Specific Religious Persecution, Open Doors International, page 13.

2 **https://www.ohchr.org/EN/ProfessionalInterest/Pages/CCPR.aspx**

3 **https://tbinternet.ohchr.org/_layouts/15/treatybodyexternal/Download.aspx?symbolno=CCPR%2fC%2f21%2fRev.1%2fAdd.4&Lang=en**

4 **Sullivan,** Donna J. (1992) Gender Equality and Religious Freedom: Towards a Framework for Conflict Resolution

5 **https://www.un.org/womenwatch/daw/cedaw/**

6 **Fisher,** Helene, Elizabeth Lane Miller, and Eva Mayer. (2020) World Watch Research: 2020 Gender-Specific Religious Persecution, Open Doors International, page 11-12.

7 **Bielefeldt,** Heiner, and Michael Wiener. (2020) Religious Freedom Under Scrutiny, University of Pennsylvania Press, page 108

8 **Petersen,** Marie Juul. (2020) Promoting Freedom of Religion or Belief and Gender Equality in the Context of the Sustainable Development Goals: A Focus on Access to Justice, Education and Health, Danish Institute for Human Rights, page 6.

9 **Ghanea,** Nazila. (2017) Women and Religious Freedom: Synergies and Opportunities, United States Commission on International Religious Freedom, page 4.

10 **Bielefeldt,** Heiner, and Michael Wiener. (2020) Religious Freedom Under Scrutiny, University of Pennsylvania Press, page 137.

11 **Ibid,** page 144.

12 **Ibid,** page 146.

13 **Ghanea,** Nazila. (2017) Women and Religious Freedom: Synergies and Op- portunities, United States Commission on International Religious Freedom, page 1.

14 **Petersen,** Marie Juul. (2020) Promoting Freedom of Religion or Belief and Gender Equality in the Context of the Sustainable Development Goals: A Focus on Access to Justice, Education and Health, The Danish Institute for Human Rights, page 10.

15 **https://www.hrw.org/news/2017/12/08/**metoo-say-domestic-workers-middle-east

16 **Fisher,** Helene Elizabeth Lane Miller, and Eva Mayer. (2020) World Watch Research: 2020 Gender-Specific Religious Persecution, Open Doors International, page 5.

17 **Ibid,** 11-12.

18 **Ibid,** 12.

19 **Ibid,** 14.

20 **Ibid,** 21.

21 **https://www.un.org/sexualviolenceinconflict/escaping-from-isil-a-yazidi-sexual-violence-survivor-rebuilds-her-life/**

22 **https://www.hrw.org/news/2014/10/11/iraq-forced-marriage-conversion-yezidis**

23 **https://medium.com/usaid-global-waters/where-wash-saves-lives-creating-new-traditions-in-nepal-7f2f3917ca64**

24 **Seager,** Joni. (2018) The Women's Atlas, Penguin Books, page 41.

25 **Raday,** Frances. (2003) Culture, religion and gender, International Journal of Constitutional Law, Volume 1, Issue 4, page 708-709.

26 **Petersen,** Marie Juul. (2020) Promoting Freedom of Religion or Belief and Gender Equality in the Context of the Sustainable Development Goals: A Focus on Access to Justice, Education and Health, The Danish Institute for Human Rights, page 19-20.

27 **Sultana,** Abeda. (2011) Patriarchy and Women's Subordination: A Theoretical Analysis, Arts Faculty Journal, 4, page 3.

28 **https://www.beingindian.com/lifestyle/ever-wondered-women-not-allowed-attend-funerals-india**

29 **Ghanea,** Nazila. (2017) Women and Religious Freedom: Synergies and Opportuni- ties, United States Commission on Interna- tional Religious Freedom, page 3-4.

30 **http://hdr.undp.org/en/GSNI**

31 **Lindholm,** Tore, W. Cole Durham, Jr., Bahia G. Tahzib-Lie (eds). (2004) Facilitating Freedom of Religion or Belief: A Deskbook, Springer Science+Business Media Dordrecht, page 374.

32 **Ibid,** 375.

33 **https://www.amnesty.org/en/latest/news/2015/03/myanmar-race-and-religion-laws/**

34 **Seager,** Joni. (2018) The Women's Atlas, Penguin Books, page 57.

35 **Ibid**

36 **Article** 14 of the Sunni personal status law in Lebanon, information provided by Adyan Foundation. https://www.hrw.org/report/2015/01/19/ unequal-and-unprotected/womens-rights- under-lebanese-personal-status-laws

37 **Perez,** Caroline Criado. (2020) Invisible Women: Exposing data bias in a world designed for men, Chatto & Windus, page 24-25.

38 **Kerr,** Susan. (2017) Freedom of Religion or Belief: a gender perspective, paper present- ed at the "Christian Women Under Pressure for Their Faith" consultation in Leuven on June 2nd, page 9.

39 **Ibid**

40 **https://www.abaadmena.org/documents/ebook.1487166563.pdf**

41 **https://www.musawah.org/campaign-for-**justice/

42 **Glendon,** Mary Ann. (2002), A World Made New, Random House.

43 **Skjeie,** Hege. (2007) Religious Exemption to Equality, CRISSP, Vol. 10, No. 4, page 14.

44 **https://www.unhcr.org/news/ stories/2015/6/56ec1e9611/yazidi-women-welcomed-back-to-the-faith.html/**

45 **Petersen,** Marie Juul. (2020) Promoting Freedom of Religion or Belief and Gender Equality in the Context of the Sustainable Development Goals, The Danish Institute for Human Rights, page 23.

46 **Ibid**

47 **Bielefeldt,** Heiner, and Michael Wiener. (2020) Religious Freedom Under Scrutiny, University of Pennsylvania Press, page 147.

48 **Adichie,** Chimamanda Ngozi. (2015) We Should All Be Feminists, Anchor Books, page 41

اغوا: کسی کو اس کی رضامندی کے خلاف زبردستی لے کر جانے کا عمل۔

توہینِ مذہب: کسی مذہب کی مقدسات اور شخصیات کے بارے میں توہین آمیز الفاظ کا استعمال یا اعمال کا ارتکاب۔

خواتین کے خلاف جملہ امتیازی سلوک کے خاتمے کا کنونشن (CEDAW): ایک بین الاقوامی معاہدہ یا خواتین کے خلاف امتیازی سلوک کے خاتمے کی کمیٹی جو اس کنونشن کے نفاذ کو نگرانی کرنے والے ماہرین کا ایک آزاد ادارہ ہے۔

جبر: کسی کو ایسا عمل کرنے پر مجبور کرنے کے لئے جو وہ نہ کرنا چاہتا ہوں طاقت، دھونس یا دھمکی کا استعمال۔

امتیاز: مذہب، عقیدے، جنس، نسل، رنگ وغیرہ کی بنیاد پر لوگوں کے ساتھ غیر منصفانہ سلوک

خواتین کے ختنے (ایف جی ایم / سی): غیر طبی وجوہات کی بنا پر خواتین کے بیرونی جنسی اعضا کو جزوی یا مکمل طور پر ہٹانے، کاٹنے یا خواتین کے جنسی اعضا کو دیگر انداز میں زخمی کرنے کا عمل۔

جبری شادی: ایسی شادی جس میں عورت یا مرد اپنے شریک حیات کا انتخاب اپنی مکمل آزادی اور باخبر رضامندی سے نہ کرے۔ جبری شادی میں کم عمری کی شادی بھی شامل ہے۔

بنیاد پرستی: عام طور پر ایک مذہبی تحریک کا طریقہ کار جس کی خصوصیت نظریے کی سختی سے پاسداری ہو، جیسے مذہبی کتب کی لغوی تشریح وغیرہ۔

صنفی مساوات: جنس سے قطع نظر ہر ایک کے لئے مساوی حقوق، ذمہ داریاں اور مواقع۔

انٹرسیکشنلٹی / تفریقی یکجائیت: صنف، نسل، مذہب جیسی سماجی درجہ بندیوں ایسی صورت جو ایک دوسرے پر منحصر یا ایک دوسرے کی قاطع ہو اور امتیازی سلوک کے مختلف نظاموں کو یکجا کرنے کے علاوہ ان کی پردہ پوشی یا بڑھاوے کا باعث بنتی ہو۔ (اردو ترجمے میں اس اصطلاح کو سہولت کے لئے ایک اصطلاح کے طور پر نہیں پیش نہیں کیا گیا)

خواتین سے نفرت: خواتین سے نفرت، ان پر عدم اعتماد، حقارت یا خواتین کے خلاف گہرا تعصب

قوم پرستی: ایک تحریک یا نظریہ جس کی بنیاد اس عقیدے پر ہوتی ہے کہ ایک قوم دوسری سے بالاتر ہے، کسی قوم کے اندر اکثریتی گروہوں کے مفادات کو فروغ دینا، ایک ہی قوم کے اندر اقلیتی نسلی یا مذہبی گروہوں کے ساتھ امتیازی سلوک روا رکھنا۔

ظلم و زیادتی: کسی شخص، اس کے خاندان یا جائیداد کے خلاف اس شخص کے عقیدے کی وجہ سے تشدد کرنیا تشدد کے خوف میں مبتلا رکھنا۔

مذہبی یا عقیدے سے وابستگی: کسی خاص مذہب، فرقے، یقین یا عقیدے کے ساتھ وابستگی۔

مذہبی قوانین: مذہبی روایات کے ذریعہ سکھائے یا اس کی بنیاد پر بنائے جانے والے اخلاقی اصول اور ضوابط جو کچھ ممالک میں قومی قانونی نظام کا حصہ ہیں، ان کی مثالیں مسیحی ضابطے، اسلامی شرعی قانون، یہودی ہلاکا، اور ہندو قانون ہیں.

جنسی غلامی: غیر قانونی طور پر ایسی حالت میں رکھنا جس میں کسی کو بار بار اس مرضی کے خلاف جنسی سرگرمی میں مشغول ہونے پر مجبور کیا جائے۔

جنسی تشدد: کسی بھی شخص کی طرف سے کسی بھی ناپسندیدہ یا جبری جنسی عمل یا جنسی پیش رفت۔ اس سے شخصطع نظر کہ اس کا متاثرہ کے ساتھ تعلق ہو یا نہ ہو۔

عمل انگیز ہم آہنگی / سنرجی: دو عناصر کا مل کر کوئی عمل کرنا جس کا نتیجہ انفرادی عوامل کے عمل سے بڑھ کر نکلے۔

الٰہیات: خدا، ہستی، وجود اور اس کے دنیا اور اس میں موجود مخلوق سے تعلق کا مطالعہ

معاہدہ: ریاستوں کے مابین ایک بین الاقوامی تحریری معاہدہ ہے، جو بین الاقوامی قانون کے تحت عمل میں آیا ہو

سٹیفنس الائنس انٹرنیشنل کا تعارف

سٹیفنس الائنس انٹرنیشنل ناروے میں قائم ایک مسیحی مشن اور انسانی حقوق کی تنظیم ہے جس میں خصوصی توجہ مذہب یا عقیدے کی آزادی پر دی جاتی ہے۔ سٹیفنس الائنس انٹرنیشنل تمام لوگوں کے اپنے عقائد اور مذہب تبدیل کرنے کے حق کے لئے جدوجہد کرتا ہے۔ اپنے مقصد 'مظلوموں کے لئے یکجا'' کے حصول کے لئے ہم دنیا بھر میں ان لوگوں اور عبادت گاہوں کی مدد کرتے ہیں جو اپنے مذہب یا عقیدے کی وجہ سے ظلم و زیادتی کا شکار ہیں۔

یہ کتابچہ یا پھر مذہب یا عقیدے کی آزادی کے بارے میں مزید معلومات سٹیفنس الائنس انٹرنیشنل کی ویب سائٹ www.stefanus.no/english سے ڈاؤن لوڈ کیا جا سکتا ہے۔ اس کے علاوہ آپ کو www.forb-learning.org کی ویب سائٹ سے بھی مفید مفید معلومات اور تحریری مواد دستیاب ہوگا جس میں مذہب یا عقیدے کی آزادی (FoRB) اور صنفی مساوات کی تفریقی یکجائیت (intersectionality) کے موضوع پر ایک نیا ڈیجیٹل کورس بھی مل سکے گا۔

stefanus alliance international

SUSTAINABLE DEVELOPMENT GOALS

We support the Sustainable Development Goals

stefanus alliance international

together for the persecuted

Stefanus Alliance International
www.stefanus.no